ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدد صد چہاردہم)

تم اپنی اندرونی حالت پر آپ ہی گواہ ہو سکتے ہو

اگر تم انصاف سے بات کرو تو تم اپنی اندرونی حالت پر آپ ہی گواہ ہو سکتے ہو کہ بجائے خدا پرستی کے ہردم دنیا پرستی کا ایک قوی ہیکل بت تمہارے دل کے سامنے ہے جس کو تم ایک ایک سیکنڈ میں ہزار ہزار سجدے کر رہے ہو اور تمہارے تمام اوقات عزیز دنیا کی جق جق بک بک میں ایسے مستغرق ہو رہے ہیں کہ تمہیں دوسری طرف نظر اٹھانے کی فرصت نہیں۔ کبھی تمہیں یاد بھی ہے کہ انجام اس ہستی کا کیا ہے! کہاں ہے تم میں انصاف! کہاں ہے تم میں امانت! کہاں ہے تم میں وہ راستبازی اور خداترسی اور دیانتداری اور فروتنی جس کی طرف تمہیں قرآن بلاتا ہے۔ تمہیں کبھی بھولے بسرے برسوں میں بھی تو یاد نہیں آتا کہ ہمارا کوئی خدا بھی ہے۔ کبھی تمہارے دل میں نہیں گزرتا کہ اس کے کیا کیا حقوق تم پر ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ تم نے کوئی غرض کوئی واسطہ کوئی تعلق اس قیوم حقیقی سے رکھا ہوا ہی نہیں۔ اور اس کا نام تک لینا تم پر مشکل ہے۔ اب چالاکی سے تم لڑو گے کہ ہرگز ایسا نہیں لیکن خداتعالیٰ کا قانون قدرت تمہیں شرمندہ کرتا ہے جبکہ وہ تمہیں جتلاتا ہے کہ ایمانداروں کی نشانیاں تم میں نہیں اگرچہ تم اپنی دنیوی فکروں اور سوچوں میں بڑے زور سے اپنی دانشمندی اور متانت رائے کے مدعی ہو، مگر تمہاری لیاقت، تمہاری نکتہ رسی، تمہاری دوراندیشی، صرف دنیا کے کناروں تک ختم ہو جاتی ہے۔ اور تم اپنی اس عقل کے ذریعہ سے اس دوسرے عالم کا ایک ذرہ سا گوشہ بھی نہیں دیکھ سکتے جس کی سکونت ابدی کے لئے تمہاری روحیں پیدا کی گئی ہیں، تم دنیا کی زندگی پر ایسے مطمئن بیٹھے ہو۔ جیسے کوئی شخص ایک چیز ہمیشہ رہنے والی پر مطمئن ہوتا ہے مگر وہ دوسرا عالم جس کی خوشیاں سچے اطمینان کے لائق ہیں وہ ساری عمر میں ایک مرتبہ بھی تمہیں یاد نہیں آتا۔ (فتح اسلام)

حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کا

برلن (جرمنی) سے عیدالاضحیٰ 2016ء کا پیغام

ترجمہ: ''نہ اُن کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔ اسی طرح اس نے انہیں تمہارے کام میں لگا دیا تا کہ تم اس پر اللہ کی بڑائی کرو جو اس نے تمہیں ہدایت دی اور احسان کرنے والوں کو خوشخبری دو۔'' (سورۃ الحج آیت ۳۷)

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس سال اُس نے مجھے توفیق دی کہ میں عیدالاضحیٰ کا خطبہ برلن (جرمنی) جماعت کی خوبصورت جامع میں دوں اور نمازِ عید کی امامت بھی کروں۔ پیغام صلح کے اس شمارہ کی وساطت سے میں تمام پاکستان اور بیرونی ممالک کی جماعتوں کے احباب کو **عیدالاضحیٰ مبارک** کہتا ہوں۔

عیدالاضحیٰ کو 'قربانی والی عید' اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم الشان قربانی کی یاد تازہ کی جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اُن کا اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرنا اور پھر اللہ تعالیٰ کا اس بیٹے کو ذبح کرنے سے منع فرمانا اور آپ کی قربانی کو قبول کرنا۔ اس سے ہمیں وہ عظیم الشان سبق یاد دلایا جاتا ہے جو اس واقعہ کے ساتھ وابستہ ہے اور ہمیں اس کے ذریعے تلقین کی جاتی ہے کہ ہم بھی اللہ کی راہ میں قربانی دینے سے کبھی دریغ نہ کریں۔

قربانی کا عربی مادہ 'ق، ر، ب' ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہ اس کی راہ میں قربانی دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ سورۃ الحج کی جو آیت میں نے درج کی ہے اُس میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ کسی بے زبان جانور کو ذبح کر دینے سے قربانی قبول نہیں ہو جاتی کیونکہ اُن جانوروں کا گوشت اور نہ اُن کا خون اللہ کو پہنچتا ہے بلکہ اسے قربانی کرنے والوں کی طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔

اس عید پر ہم نفس امارہ کی بھی قربانی کریں اور جیسے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ جب ہم جانور کی گردن پر چھری چلائیں تو اس وقت یہ بھی ارادہ کر لیں کہ ہم اپنے نفس امارہ پر بھی چھری چلائیں گے اور ہمیشہ کے لئے شیطانی وساوس، خیالات اور اعمال کو ذبح کرتے ہوئے اپنی زندگی کو صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے وقف کر دیں گے اور اپنی تمام عبادات اور قربانیاں اسی کی خاطر ادا کریں گے اور زندگی اور موت صرف اللہ رب العالمین کی امانت جانیں گے اور اس کو لاشریک مانتے ہوئے اپنے دل میں سے وہ تمام بت اکھاڑ پھینکیں گے اور اُس کو کعبہ کی طرح شرک کے بتوں سے صاف کر دیں گے تا کہ اللہ تعالیٰ جو کائنات میں سما نہیں سکتا مگر متقی کے دل میں سما جاتا ہے، اس دل میں آ بسے اور ہمیں نفس مطمئنہ کا مقام مل جائے اور قلبی تسکین میسر آ جائے۔ آمین

اداریہ

ہماری قربانیوں کا مقصد خیر کثیر کی اشاعت

اللہ تعالیٰ نے روزہ کی عبادت کے بعد عید الفطر کا تہوار اور حج کے ساتھ عید الاضحیٰ کو منسلک کیا ہے۔ روزہ بھی اسلام کا رکن ہے اور حج بھی۔ مناسک حج میں سے سب سے اہم عمل ''نحر'' یعنی قربانی ہے۔ حج میں تو ہر کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ لیکن مناسک حج میں سے قربانی میں تمام دنیا کے مسلمان خواہ وہ کہیں بھی ہوں شریک ہوسکتے ہیں۔ عید الاضحیٰ کی قربانی کے متعلق جب رسول کریم صلعم سے پوچھا گیا تو فرمایا ''یہ تمہارے جدّ امجد ابراہیم کی سنت ہے'' آپ جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی قبول ہونے سے پہلے آپ کو کن کن امتحانات میں سے گزرنا پڑا۔ آپ کو آگ میں ڈالا گیا۔ بتوں کو توڑنے کے جرم میں بادشاہ وقت کے سامنے پیش کئے گئے۔ آپؑ کے والد نے آپؑ کو گھر سے نکال دیا۔ آپؑ یہ کہتے ہوئے نکل گئے ''آپ کے لئے میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو معاف کردے۔'' (سورۃ مریم ۴۷) آپؑ کو وطن چھوڑنا پڑا، ساری عمر مہاجرت میں گزار دی۔ لیکن آخری امتحان باقی تھا ''کہ سو برس کے بوڑھے ابراہیمؑ کے دل میں اپنے اکلوتے بیٹے کی محبت کہیں اللہ تعالیٰ کی محبت سے بڑھ تو نہیں گئی''۔ اس آخری امتحان میں آپ کامیاب ہوئے۔ حسب الحکم اپنے بیٹے کی قربانی پیش کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کو قبول کیا اور کاٹنے والی چھری کو غیر موثر کر دیا۔ اس بے مثال قربانی کی یاد میں امت محمدیہؐ کے افراد بہت بڑی تعداد میں جانوروں کی قربانیاں پیش کرتے چلے آرہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

قرآن کریم کی سورۃ الکوثر میں بھی قربانی کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ دشمن کے ابتر ہونے کی نوید ہے۔ کوثر سے مراد خیر کثیر ہے۔ اور جو خیر کثیر رسول کریم صلعم ہمیں دے گئے وہ قرآن کریم ہی ہے۔ یہ رب ذوالجلال والاکرام کی طرف سے نصیحت ہے، شفاء ہے۔ ہدایت کاملہ ہے، رحمت ہے، فضل ہے۔ اسی خیر کثیر کو دنیا کے گوشے گوشے میں تقسیم کرنے کا کام مجدد زماں مسیح دوراں حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ نے ہمیں سونپا۔ نحر کا لفظ اور ابتر کا لفظ اس بات پر واضح اشارہ ہیں کہ بغیر اتباع سنت ابراہیمی کے یعنی زندگی میں قربانی دیئے بغیر کوئی کامیابی و کامرانی نصیب نہیں ہوسکتی۔ نوع انسانی کے لئے سب سے مفید تعلیم قرآن کریم میں ہے۔ جو دنیا میں مروج ہونا مقدر ہے اگر ہم نے اس کو مرج کرنے میں حصہ لینا ہے تو اس کی شرط جان و مال کی قربانی ہے۔ جس قدر قربانیاں ہم پیش کریں گے۔ اُسی قدر اس کی اشاعت میں کامیاب ہوں گے۔ ہمیں استقامت سے مجدد زماں کے دیئے ہوئے مشن کو جاری رکھنا ہے۔ قرآن کریم میں موجود خیر کثیر کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچانا ہے۔ عارضی، وقتی مشکلات سے صرفِ نظر کر کے ڈٹ کر اپنے مشن کو جاری رکھنا ہے۔ یہی سبق ہمیں عید الاضحیٰ اور سنت ابراہیمی سکھاتی ہے اور یہی ہمارا فرض ہے۔

☆☆☆☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس قربانی کا بیج بویا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لہلہاتے کھیت کی طرح دکھایا

حقیقی طور پر عید الاضحیٰ وہی تھی جب آج سے تیرہ سو سال پیشتر خدا تعالیٰ کی راہ میں انسان ذبح ہوئے

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک خطبہ جو 1900ء کی عید الضحیٰ پر قادیان میں آپ نے دیا

آج عید الضحیٰ کا دن ہے اور یہ عید ایک ایسے مہینے میں آتی ہے جس پر اسلامی مہینوں کا خاتمہ ہوتا ہے یعنی پھر محرم سے نیا سال شروع ہوتا ہے۔ یہ ایک سر کی بات ہے کہ ایسے مہینہ میں عید آ گئی ہے جس پر اسلامی مہینہ کا یا زمانہ کا خاتمہ ہے۔ اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آنے والے مسیح سے بہت مناسبت ہے۔ وہ مناسبت کیا ہے؟

ایک یہ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری زمانہ کے نبی تھے اور آپ کا وجود باوجود اور وقت بعینہٖ گویا عید الاضحیٰ کا وقت تھا چنانچہ یہ امر مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ آپ نبی صلعم آخر الزمان تھے اور یہ مہینہ بھی آخر الشہور رہے۔ اس لئے اس مہینہ کو آپؐ کے زمانے سے مناسبت ہے۔ دوسری مناسبت چونکہ یہ مہینہ قربانی کا مہینہ کہلاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حقیقی قربانیوں کا کامل نمونہ دکھانے کے لئے تشریف لائے تھے جیسے آپ لوگ بکری، اونٹ، گائے، دُنبہ ذبح کرتے ہو ایسا ہی وہ زمانہ گذرا ہے کہ آج سے تیرہ سو سال پیشتر خدا تعالیٰ کی راہ میں انسان ذبح ہوئے۔ حقیقی طور پر عید الاضحیٰ وہی تھی اور اسی میں ضحیٰ کی روشنی تھی۔ یہ قربانیاں اس کا لُب نہیں پوست ہیں، روح نہیں جسم ہیں۔ اس سہولت و آرام کے زمانہ میں ہنسی خوشی سے عید ہوتی ہے اور عید کی انتہا ہنسی خوشی اور قسم قسم کے تعیشات قرار دیئے گئے ہیں۔ عورتیں اسی روز تمام زیورات پہنتی ہیں۔ عمدہ سے عمدہ کپڑے زیب تن کرتی ہیں، مرد عمدہ عمدہ پوشاکیں پہنتے ہیں، اور عمدہ سے عمدہ کھانے بہم پہنچاتے ہیں اور یہ ایسا مسرت اور راحت کا دن سمجھا جاتا ہے کہ بخیل سے بخیل انسان بھی گوشت کھاتا ہے۔ الغرض ہر قسم کے کھیل کود لہو و لعب کا نام عید سمجھا گیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ حقیقت کی طرف مطلق توجہ نہیں کی جاتی، درحقیقت اس دن میں بڑا سر یہ تھا کہ حضرت ابرہیم علیہ السلام نے جس قربانی کا بیج بویا تھا اور مخفی طور پر بویا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لہلہاتے کھیت کی طرح دکھایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے ذبح کرنے میں خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ذرا دریغ نہ کیا اس میں مخفی طور پر یہی اشارہ تھا کہ انسان ہمہ تن خدا کا ہو جائے اور خدا کے حکم کے سامنے اس کی اپنی جان، اپنی اولاد، اپنے اقرباء و اعزاء کا خون بھی خفیف نظر آوے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو ہر ایک پاک ہدایت کا کامل نمونہ تھے کیسی قربانی ہوئی! خونوں سے جنگل بھر گئے، گویا خون کی ندیاں بہہ نکلیں، باپوں نے اپنے بچوں کو، بیٹوں نے اپنے باپوں کو قتل کیا۔ اور وہ خوش ہوتے تھے کہ اسلام اور خدا کی راہ میں قیمہ قیمہ اور ٹکڑے ٹکڑے بھی کئے جاویں تو اُن کی راحت ہے۔ مگر آج غور کر کے دیکھو کہ بجز ہنسی اور خوشی اور لہو و لعب کے، روحانیت کا کونسا حصہ باقی ہے۔ یہ عید الاضحیٰ پہلی عید سے بڑھ کر ہے اور عام لوگ بھی اس کو بڑی عید کہتے ہیں مگر سوچ کر بتلاؤ کہ عید کی وجہ سے کس قدر ہیں جو اپنے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور روحانیت سے حصہ لیتے ہیں اور اس روشنی اور نور کو لینے کی کوشش کرتے ہیں جو اس ضحیٰ میں رکھا گیا ہے۔ عید رمضان اصل میں ایک مجاہدہ ہے اور ذاتی مجاہدہ ہے اور اس کا نام ''بذل الروح'' ہے مگر یہ عید جس کو بڑی عید کہتے ہیں۔ ایک عظیم الشان حقیقت اپنے اندر رکھتی ہے، جس پر افسوس کہ توجہ نہیں کی گئی۔ خدا تعالیٰ نے جس کے رحم کا ظہور کئی طرح پر ہوتا ہے، امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہ بڑا بھاری رحم کیا ہے کہ اور اُمتوں میں جس قدر باتیں پوست اور قشر کے رنگ میں تھیں۔ ان کی حقیقت اس امتِ مرحومہ میں دکھلائی ہے۔ (پیغام صلح، 27 جولائی 1955ء)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم امراضِ روحانی کے اصل معالج

خطبہ عیدالاضحیٰ حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ

عید کا خطبہ پڑھنے کے واسطے رسول اللہ صلعم نے جب ارادہ فرمایا تو لوگوں کو کہا کہ جس کی مرضی ہو بیٹھے اور جس کی مرضی نہ ہو یا اسباب اسکے نہ بیٹھنے کے ہوں۔ وہ بے شک چلا جاوے۔ یہ کہہ کر مولانا موصوف نے سورۃ النحل کی آیت نمبر76-75 پڑھی۔

میں نے یہ آیات شریفہ سورۃ النحل میں سے پڑھی ہے۔اس کے ابتداء میں حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی ہستی اپنی توحید اپنے اسماء اپنے محامد اور لا انتہا عجائبات قدرت کا اظہار فرمایا ہے اور بعد اس بیان کے جو درحقیقت لا الہ الا اللہ کے معنوں کا بیان ہے۔اس کے دوسرے جز محمد رسول اللہ پر بحث کی ہے اور ضرورت نبوت پھر ختم نبوت پر لطیف طرز سے بحث کی ہے اور بیان کیا ہے کہ کیوں خدا کی طرف سے کوئی مامور ہو کر آتا ہے اور اس کا کیا کام ہوتا ہے۔ پھر اس آیت میں بتایا ہے کہ جو شخص مامور من اللہ اور حجتہ اللہ ہو کر آتے ہیں۔ وہ بلحاظ زمانہ، بلحاظ مکان عین ضرورت کے وقت آتے ہیں اور اُن کی شناخت کے لئے وہی نشانات ہیں جو اس آیت میں بیان کئے جاتے ہیں۔ وہ کیا کام کرتے ہیں۔ اُن پر کیا اعتراض ہوتے ہیں۔ دوسروں کی نسبت اس میں کیا خصوصیت ہوتی ہے۔ان دو آیتوں میں انہی باتوں کا تذکرہ ہے۔ان میں سے پہلی آیت شریف کا ترجمہ یہ ہے کہ مگر ترجمہ سے پیشتر یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے انسان کو ممتاز بنایا ہے اور پھر انسانوں میں سے کچھ لائق اور بعض نالائق ہوتے ہیں۔ اور اس طرح پر خود ان میں ایک امتیاز قائم کرتا ہے۔غرض نبوت کی ضرورت اور اس کے اصول کے سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ اسی آیت میں ایک نہایت ہی عجیب بات سناتا ہے۔ مثل اعلیٰ درجہ کی عجیب بات کو کہتے ہیں۔غرض اللہ تعالیٰ ایک عجیب بات اور نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی بات سناتا ہے۔کوئی کسی کا غلام ہے۔ وہ عبد جو کسی کا مملوک ہے۔اس کا مالک اس کے لئے بہت سے کام رکھتا ہے۔اور چاہتا ہے کہ اس کا غلام وہ کام کرے مگر غلام کی یہ حالت ہے کہ ''لایقدر'' جس کام کو کہا جاتا ہے وہ مضائقہ کرتا ہے اور اپنے قول و فعل حرکات وسکنات سے بتاتا ہے کہ آقا! یہ تو نہیں ہوسکتا۔ وہ زبان سے کہے یا اعمال سے دکھاوے۔اس کا مطلب یہی ہے کہ میں اس کام کے کرنے کے قابل نہیں۔اب ایک اور غلام ہے جو کام اس کے سپرد کیا جاوے۔جس خدمت پر اسے مامور کیا جاوے۔ پوری تندہی اور خوش اسلوبی سے اس کو سرانجام دیتا ہے۔ جب اس کو کوئی مال دیا جاوے تو وہ اس کو کیا کرتا ہے اس مال کو لیتا ہے۔ جہاں آقا کا منشاء ہو کہ مخفی طور پر دیا جاوے۔ وہاں مخفی طور پر دیتا ہے۔اور جہاں مالک کی مرضی ہو ظاہر طور سے دیا جاوے۔ وہاں کھلے طور پر دیتا ہے۔غرض وہ مالک کی مرضی اور منشاء کا خوب علم رکھتا ہے اور اس کے ہی مطابق عمل درآمد کرتا ہے اور مخفی درمخفی اور ظاہر درظاہر موقعوں پر ہی جہاں مالک کی مصلحت ہوتی ہے اس مال کو خرچ کرتا ہے۔اب تم اپنی فطرتوں سے پوچھو کہ یہ دو غلام ہیں جن میں سے ایک تو ایسا کہ کسی کام کے کرنے کے بھی قابل اور لائق نہیں اور دوسرا ہے کہ اپنے مالک کی مرضی اور مصلحت کا پورا علم رکھتا ہے اور صرف علم ہی نہیں۔اس پر عمل بھی کرتا اور سراً اور جہراً دونوں قسم کے اخراجات کرسکتا ہے۔اب یہ کیسی صاف بات ہے۔ اپنی ہی فطرت سے فیصلہ پوچھ لو۔

ھل یستون۔ کیا یہ برابر ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ہر ایک دانشمند کو اعتراف کرنا پڑے گا۔ چونکہ وہ فطرت انسانی، اعتقادات، اخلاق سب کو جانتا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے کامل علم اور فطرت کی صحیح اور کامل واقفیت کی بنا پر فتویٰ دیتا ہے۔ الحمدللہ

اللہ تعالیٰ ہی کی حمد دنیا میں قائم ہوگی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہی لائق اور ممتاز ہوسکتا ہے۔ جو ہر قسم کے اخراجات کو برمحل کرنے اور اپنے آقا کے منشاء و مصلحت کو جانتا ہے۔اور یہی نہیں بلکہ عملی طاقت بھی اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔

جب یہ بات ہے تو عرب وعجم کی تاریخ پر نظر کرو نہیں دنیا کی تاریخ کے ورق الٹا ڈالو۔ اور دیکھو کہ جس زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا پر جلوہ گری کی۔ کیا اس سے بہتر کوئی اور وجود اس قابل تھا کہ وہ دنیا کا معلم ہو کر آتا ہرگز نہیں۔ لوگوں کو سچے علوم ملتے ہیں۔ اور بابرکت اساتذہ کا اثر بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات کہ حق سبحانہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا ہو اور اس کے مقرب ہونے کے لئے اقرب راہ مل جاوے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کامل طور پر دنیا میں نہیں ہوا۔ زمانہ کے امراض پر پوری نظر کر کے مریضوں کی حالت کی کامل تشخیص کس نے کی تھی؟ کسی کا نام تو لو۔ جب معالجہ ہی نہ تھا تو شفاء کا تو ذکر ہی کیا!!

مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاء کامل کا نسخہ لے کر آئے اور مریضوں پر اس کا استعمال کر کے اُن کو تندرست بنا کر دکھا دیا کہ یہ دعویٰ کہ قرآن کریم سے شفا ملتی ہے۔ بالکل سچا ہے۔ اس وقت کی عام حالت پر نظر تو کرو تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں ایک بلاخیز طوفان بت پرستی اور شرک کا آرہا تھا کوئی قوم کوئی ملک کوئی خاندان کوئی ملت ایسی نہ رہی تھی جو اس ناپاکی میں مبتلا نہ ہو۔ کیا ہند میں عالم نہ تھے؟ مجوسیوں کے پاس گھر اور دستور آگاہ نہ تھے؟ یہود کے پاس بائبل اور طالمود تھی۔ عیسائیوں کی روما کی سلطنت نہ تھی؟ مصریوں کے ہاں علم کا دریا نہ بہتا تھا۔ کیا خاص عرب میں بڑے بڑے طلیق اللسان اور فصیح البیان شعرا موجود نہ تھے؟ مگر قوم کی امراض نہیں بلکہ ملک کی بیماریوں، نہیں نہیں دنیا کو تباہ کر دینے والی بلا کی کس نے تشخیص کی؟

وہ کون تھا جس نے شفاء اور نور کہلانے والی کتاب دنیا کو دلوائی؟ جواب آسان اور بہت آسان ہے۔ بشرطیکہ انصاف اور سچائی سے محبت ہو کہ وہ پاک ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ اس آیت پر غور کرنے سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اصطلاح میں رزق اور مال سے کیا مراد ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جیسے اس زمانہ میں مولوی اور درویش کاہل اور سست اور ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی ان کو پکی پکائی روٹی دے جاوے۔ اسی طرح جب مہدی موعود علیہ الصلوۃ والسلام آئیں گے تو لاتعداد زر و مال تقسیم کریں گے۔

ختم نبوت کا مفہوم

تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی کیونکہ نبوت محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں۔

تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اس کے اندر ہیں نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں تھی اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہیے تھا کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لئے ایک انجام بھی ہے۔ (الوصیت، ص ۱۲)

مدعی نبوت کافر ہے

ہمارا مذہب یہی ہے کہ جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن فیوض سے اپنے تئیں الگ کر کے اور اس پاک سرچشمہ سے جدا ہو کر آپ ہی براہ راست نبی اللہ بننا چاہتا ہے تو وہ ملحد و بے دین ہے اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی کلمہ بنائے گا اور عبادات میں کوئی نئی طرز پیدا کرے گا اور احکام میں کچھ تغیر و تبدل کر دے گا پس بلاشبہ وہ مسیلمہ کذاب کا بھائی ہے اور اس کے کافر ہونے میں کچھ شک نہیں۔

(انجام آتھم، ص ۲۷۔۲۸ حاشیہ)

عید الاضحیٰ کے متعلق

حضرت مولانا محمد علیؒ کے چند نصائح

عید کا سب سے پہلا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر خدا کو یاد رکھیں۔ عید کے دن ساری دنیا میں اللہ اکبر کی آوازیں اس قدر زور سے بلند ہوتی ہیں کہ ساری دنیا کی فضا اس گونج سے بھر جاتی ہے مگر قابل غور امر یہ ہے کہ جو گونج فضا میں پیدا ہوتی ہے کیا وہ ہمارے دل اور رُوح میں بھی پیدا ہوئی ہے؟ اصل میں اس گونج کا انسان کے اندر ہی پیدا کرنا مقصود ہے اور وہاں یہ گونج پیدا ہو جائے تو انسان کا کوئی کام نہ ہو جس میں غرض خدا کی بڑائی نہ ہو، یہی اصل پیغام ہے۔

عید کا دوسرا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر اپنے بھائیوں کو بھی یاد رکھو بالخصوص غرباء کو، عید الفطر میں صدقہ فطر ہے تو عید الاضحیٰ میں قربانی کا گوشت ہے مگر یہ بھی ایک سبق ہے کہ اپنے بھائیوں کی جسمانی رنگ میں فکر کرتے ہو تو روحانی رنگ میں بھی ان کی فکر کرو۔ کیا آپ نے اپنے نادار اور مفلس بھائیوں کو جو قرآن کی نعمت سے محروم ہیں اس روحانی غذا کے پہنچانے کا کوئی انتظام کیا ہے؟

عید کا تیسرا پیغام قربانی ہے، ہر قریہ، ہر شہر میں ایک ہی وقت میں ہزاروں جانوروں کی گردنوں پر چھریاں رکھ دی جاتی ہیں مگر کس کے لئے! اس کا جواب قرآن کریم دیتا ہے:

وبشر المخبتین الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم تاکہ اس نظارہ کو دیکھ کر انسانوں کے دلوں کے اندر عاجزی پیدا ہو، کہ جس طرح ہمارے محکوم ہیں، ہم بھی کسی کے محکوم ہیں، تو اصل غرض یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں سارے عالم اسلام کے اندر ایک قربانی کی لہر اُٹھے، کیا جانور کی قربانی کے لئے یہ موج قربانی کرنے والوں کے دل کے اندر بھی پیدا ہوئی ہے؟ اگر ہوئی ہے تو اس کی قربانی قبول ہوئی ہے اگر نہیں تو نہیں۔

انما یتقبل اللہ من المتقین

اللہ تعالیٰ صرف متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ جس کے دل کے اندر قربانی کی روح پیدا نہیں ہوئی وہ متقی نہیں ہے اور نہ اس کی قربانی ہوئی ہے، غور کرو کہ اس وقت کتنے لوگ عالم اسلامی میں ہیں جن کی قربانی قرآن کریم کے صریح ارشاد کے مطابق قبول ہو رہی ہے؟

"کسی بُری عادت کو ذبح کر دو۔ کسی نیک عادت کو اختیار کر لو"

رمضان اور لیلتہ القدر کی برکات کو جذب کر کے دائمی بنانے کی کوشش کرو

خطبہ جمعتہ الوداع، فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ یکم جولائی 2016ء، بمقام جامع دارالسلام لاہور

’’اللہ بے انتہاء رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

ترجمہ: ’’ہم نے اسے لیلتہ القدر میں اتارا اور تجھے کیا خبر ہے کہ لیلتہ القدر کیا ہے۔ لیلتہ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور روح اپنے رب کے اذن سے ہر امر (خیر) کو لیے ہوئے اترتے ہیں۔ سلامتی یہ فجر کے طلوع تک ہے۔‘‘ (سورۃ القدر 97)

آج رمضان شریف کا آخری جمعہ ’’جمعتہ الوداع‘‘ ہے۔ یہ ایک نہایت بابرکت مہینہ، ایک نہایت بابرکت دن ہے جس میں دنیا بھر کی مساجد میں لوگ عبادات کر رہے ہیں، تراویح ادا کر رہے ہیں، قرآن پڑھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں اور اس بابرکت عزت والی رات ’’لیلتہ القدر‘‘ کو پا لینے کی خواہش میں اپنی عبادات میں مشغول ہیں۔ جو لوگ اعتکاف میں بیٹھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو برکت عطا فرمائے اور ان کی دعائیں قبول فرمائے۔ آمین

ان آیات میں جو ذکر آیا ہے کہ ہم نے اسے لیلتہ القدر میں اتارا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے متعلق کہا جا رہا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ خود پوچھتا ہے کہ لیلتہ القدر کیا ہے؟ یہ کتنی عظیم رات ہے، اس کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ نے خود بتایا کہ یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ہزار مہینے تقریباً 83 سال بنتے ہیں اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس رات کی دعائیں قبول ہو جائیں تو گویا زندگی بھر کی عبادت کا حاصل مل گیا۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس رات میں فرشتے زمین پر نازل ہوتے ہیں اور احادیث میں آتا ہے کہ اتنی کثرت سے نازل ہوتے ہیں کہ ایک فرشتہ اور نازل ہو جائے تو اس کو جگہ نہ مل سکے۔ اس لئے اس رات کو ’’تنگی والی رات‘‘ بھی کہا گیا ہے۔ ان سب فرشتوں کا نزول حضرت جبرائیل علیہ السلام کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ اس رات میں ہر نیکی کے امر کا فیصلہ ہوتا ہے اور سب خطاؤں کی بخشش حاصل ہوتی ہے۔

حضرت رومیؒ نے انسان سے جب غلطی سرزد ہو جائے اس غلطی کو ایسے تیر سے تشبیہہ دی ہے گویا تیر کمان سے نکل گیا ہو اور اس کو واپس کرنا ناممکن ہو لیکن آپؒ فرماتے ہیں کہ صرف دعا کی کثرت اور توبہ سے ہی یہ تیر رُخ بدلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم ایسی توبہ کر پائیں، ایسی التجا کر پائیں جو اس کے نزدیک قبول ہو جائے اور ہمیں یہ سلامتی والی رات میسر آ جائے اور ہماری عبادات کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اگر ہم کہیں کہ رمضان قرآن کریم کے نزول کا ماہ ہے اس لئے ہم سب عبادات کر رہے ہیں مگر جب یہ ماہ ختم ہو جائے تو جو تعلق اللہ سے جڑ چکا ہے اس کو ہم پیٹھ پیچھے پھینک دیں اور بھول جائیں کہ ہم نے کیا حاصل کیا اور پھر جو حاصل ہوا اسے ضائع کر دیں تو یہ یوں ہوگا کہ ایک عمارت بنائیں اور خود ہی اپنے ہاتھوں سے اسے گرا دیں۔

انسانی روح کو حضرت مسیح موعودؑ نے ’’ناقتہ اللہ‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کی

اونٹنی کہا ہے۔ رمضان میں ہم نے اس ''اللہ کی اونٹنی'' کو خوب روحانی غذائیں کھلا پلا کر سیر کیا اور اسے اپنی منزلِ مقصود پر روانہ کیا لیکن کیا جب رمضان ختم ہو جائے گا تو ہم اس کو پانی پلانا، کھانا کھلانا چھوڑ دیں گے؟ اور اس کی زندگی اور موت سے لاپرواہ ہو جائیں گے؟

ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہم کچھ چیزوں پر توجہ کریں اور ایک عزم کریں کہ رمضان ختم ہونے کے بعد بھی ہم نے جو پایا اس کو اپنے ہاتھوں ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

قرآن انسان کو سات دن کے اندر پاکیزہ کر سکتا ہے

یہ قرآن کریم کے نزول کا ماہ ہے۔ قرآن انسان کے لئے ہدایت کی کتاب ہے اور تمام ہدایت جو انسان کو درکار ہوتی ہے وہ تمام کی تمام اس کتاب میں ہمیں ملتی ہے۔ اور اگر ہم اس کتاب کے لفظ لفظ کو سمجھیں اس میں جو احکامات آئے ہیں ان پر عمل کرتے رہیں اور جو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اُس کو چھوڑ دیں تو پھر ہماری عبادات اپنا مقصد پالیں گی اور ہم اللہ کو پالیں گے اور اللہ ہمیں اپنا دوست بنالے گا۔

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو انسان کو سات دن کے اندر پاک کر سکتی ہے۔ آپ کہیں گے سات دن میں انسان کیسے پاک ہو سکتا ہے؟ تو آج اگر ہم صرف قرآن کریم کی سورۃ فاتحہ کی طرف توجہ کریں اور اس کو میں ایک نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ اسی طرح اگر ہم پورے قرآن پر توجہ کریں کہ قرآن ہمیں کیا کہہ رہا ہے، ہماری مشین خراب ہو رہی ہے اس کو کیسے ٹھیک کرنا ہے، اس ہدایت نامہ میں سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ اس کو ہم الماریوں میں بند رکھیں، شادیوں پر دلہن کے سر پر رخصت ہونے کے لئے اُٹھا کر رکھیں تو یہ اس کتاب کا مقصد نہیں بلکہ اس کو اس لئے نازل کیا گیا کہ یہ ہمیں متقی بنائے اور ہمیں خدا والے بنائے۔

اس جماعت کو بنانے کا مقصد جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا امام بھیجا وہ یہ تھا کہ ایک متقیوں کی جماعت ہو جو دین کو دنیا میں پھیلائے۔

بسم اللہ کا مفہوم

سورۃ فاتحہ میں پہلے ہم بسم اللہ ہی کو لے لیں اور فیصلہ کر لیں کہ ہر کام ہم بسم اللہ سے شروع کریں گے تو فوراً ہماری پاکیزگی کا عمل شروع ہو جاتا ہے کیونکہ ہم نے بری باتوں میں بسم اللہ کہنا نہیں ہے اور اچھی باتوں میں ہم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چلیں تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرماتا ہے۔ کوئی چور، ڈاکو اور بُرے کام والا بسم اللہ پڑھ کر اس گناہ کو نہیں کرے گا۔ اور اگر کرے گا تو وہ ہدایت یافتہ نہیں کہلائے گا۔ بسم اللہ ہمیں فیصلے کی صلاحیت دیتی ہے کہ کیا یہ کام جو میں کرنے نکلا ہوں اچھا ہے یا بُرا۔ کیا واقعی اسے بسم اللہ سے شروع کرنا چاہیے یا نہیں تو برائی سے انسان رُک جاتا ہے۔

الحمد اللہ رب العالمین

اگر ہم ہر چیز میں اللہ کی تعریف کریں اور ہر کام میں اس کا ہاتھ دیکھیں اور اس کی دی ہوئی نعمتوں اور مہربانیوں کا شکر ادا کریں تو پھر ہم مزید ترقی کریں گے۔ اگر ہم اللہ کو رب العالمین مانیں یعنی تمام عالم کا رب مانیں تو ہم ایک بہتر انسان بن جائیں گے کیونکہ ہم اس کے بنائے ہوئے حیوانات اور نباتات کا خیال کریں گے، تو پھر ہم دنیا کو ایک بہتر جگہ بنا دیں گے۔ یہ جانتے ہوئے کہ ہر انسان اللہ کا بنایا ہوا ہے چاہے اس نے جو دین اختیار کر لیا چاہے اس کو اللہ تعالیٰ نے جو رنگ، نسل، خاندان دے دیا تمام رب العالمین کے بنائے ہوئے ہیں ہم بھی اسی کے بنائے ہوئے ہیں وہ تمام مخلوق سے محبت کرتا ہے ہم نے بھی تمام مخلوق سے محبت کرنی ہے تو یہ آپ کو اور روحانی ترقی دے گا۔

قرآن کریم کو تمام جہانوں کے لئے بنا کر بھیجا اس لئے ہمیں اپنے آپ کو کوئی خاص چیز نہ سمجھیں بلکہ دنیا کی حقیر ترین چیز اور خدا تعالیٰ کو عظیم ترین ہستی سمجھیں۔ انسان کا اپنے اندر سے اَنا اور غرور نکالنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور وہ انسان کو اس کے قریب تر کرتا ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں اللہ کی چار صفات

سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو رب العالمین، الرحمٰن، الرحیم، مالک یوم الدین کہا ہے۔ یہ چار نام اس نے سب سے پہلی سورۃ میں نازل کیے تو اگر ہم اس کے اسماء حسنہ کی خوبیاں اپنے اندر شامل کرتے جائیں کہ ہم اپنے سے چھوٹوں کی ربوبیت کریں اور ہم سب پر رحم کریں، ہم سب کی مدد کریں، ہم بھی رحمانیت کی صفت کو اپنائیں، رحیم کی صفت اپنے اندر لے آئیں اور پھر وہ مالک اپنے بندہ کو غلطی کرنے پر معاف کر دیتا ہے تو ہم بھی غلطیوں کو معاف کرنے والے بن جائیں۔

مالک یوم الدین

جزا سزا کے دن کا وہی مالک ہے۔ اس کے ہاتھ میں ہے کہ کس کو کافر کہے، کس کو سزا دے، کس کو آگ والا کہے، کس کو جنت والا کہے اس میں وہ کسی کو حق نہیں دیتا کہ وہ کسی پر فتوے لگائے۔ کسی کو حق نہیں دیتا کہ اس کو نیک قرار دیا جائے یا بد قرار دیا جائے اس کو مسلمان یا کافر کہا جائے۔ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ جو مالک یوم الدین ہے اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

اس طرح ایک دن کو یوم الدین یعنی جزا سزا کا دن کہہ کر انسان کو خدا نے یہ بتا دیا کہ یہاں گو کہ عمل کی پوری آزادی ہے لیکن کچھ اصول ہیں ان پر چلنا پڑتا ہے، وقتی آزادی جو ہمیں اچھی لگتی ہے۔ اس کے ہم ایک دن جوابدہ ہوں گے۔ قرآن اور رسول کریم صلعم نے بتا دیا کہ یہ چیز اچھی نہیں، اللہ تعالیٰ اور اولیاء اللہ نے بھی بتا دیا کہ تمہاری جواب طلبی ہوگی، اس دنیا میں تمہارے اوپر کوئی بندش نہیں ہے لیکن بہتر رستے یہ ہیں۔ اس پر چلنے کا انعام ہے اور نہ چلنے کی سزا۔

ایاک نعبد وایاک نستعین

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ سوال ہے کہ ہم کیوں صرف اللہ کی عبادت کریں اور اسی سے مدد مانگیں؟ ہم اس لئے اس کی عبادت کریں کیونکہ وہ عبادت کے لائق ہے وہ رب العالمین ہے تمام تخلیق اس کی کی ہوئی ہے۔ اور یہی مفہوم ہے لا الہ الا اللہ کا۔ اسلام نے ہمیشہ کے لئے غیروں سے چھٹکارا دے دیا۔ ہم اس کی مدد چاہیں کیونکہ وہ رحمٰن ہے اور اس کی رحمانیت ہمیں ہر وقت دینے کو تیار ہے۔ ایاک نعبد میں جمع کا صیغہ ہے۔ سب کے لئے یہ دعا شامل کر دی کہ میں سب کے لئے یہ دعا کرتا ہوں کہ سب تیری ہی عبادت کریں، سب تجھ ہی سے مدد مانگیں، مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں۔ اس جگہ بڑا باریک نکتہ کسی نے بیان کیا کہ یہ جمع کا صیغہ استعمال کر کے باجماعت نماز کا حکم دیا گیا ہے۔

اھد نا الصراط المستقیم

ہدایت دے ہمیں سیدھے راستے پر۔ اگر کوئی شخص اپنے لئے کوئی سمت نہ متعین کرے۔ اپنے آگے کوئی گول، کوئی نسب العین نہ رکھے تو وہ کہاں پہنچے گا؟ راستہ بھول جائے گا۔ کوئی کسی سے کہے کہ مجھے منزل پر لے جاؤ اور منزل نہ بتا سکے تو شک گزرے گا کہ وہ کسی دماغی بیماری کی وجہ سے سمجھ نہیں پا رہا۔ لیکن ہم خدا سے ہدایت مانگ رہے ہیں۔ ہم دنیا والوں سے ہدایت مانگیں کہ کیسے منزل پر پہنچنا ہے تو وہ جو راہ دکھائیں گے اُس پر چل کر ہم غلط ہو سکتے ہیں لیکن جو راہ اللہ دکھائے اس میں غلطی کا امکان نہیں رہتا۔ صراط المستقیم کی دعا ہمیں منزل پر پہنچا دیتی ہے۔ اس منزل کی جستجو

ہمیں ہر لمحہ رہنی چاہیے۔ایسے نہیں کہ ایک ماہ کے روزے رکھ لئے ،عبادت کرلی بلکہ یہ عبادات کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے،نمازیں قائم کرنا جاری رہنی چاہیے ، رمضان کے ساتھ ختم نہیں کردیں۔صراط مستقیم واحد راستہ ہے جوہمیں خدا تعالیٰ کے پاس پہنچانے والا راستہ ہے

صراط الذین انعمت علیھم

ہم اُن کا راستہ مانگ رہے ہیں جن پر اللہ کا انعام ہوا یعنی نبیین ، صادقین،شہداء، صالحین جنہوں نے دین اسلام کے لئے جان بھی حاضر رکھی۔جنہوں نے اپنے آپ کوتمام گناہوں سے پاکیزہ رکھا۔تو پھراس کے لئے ہمیں محنت بھی اتنی ہی کرنی پڑے گی، جان بھی لڑانا پڑے گی۔اس دور میں ہم چھوٹی سی ترقی حاصل کرنے کے لئے جان لڑا دیتے ہیں۔بچپن میں ہم ایک دوست کا مذاق اڑاتے تھے اس کی ماں کا کہنا تھا کہ پانی والے تالاب میں تب تک داخل نہ ہونا جب تک تیرنا سیکھ نہ لو۔تو جب ہم پانی کے اندر داخل نہیں ہوں گے تو کیسے تیرا کی سیکھیں گے۔

صراط الذین انعمت علیھم کا غلط مفہوم

ان الفاظ کی بعض لوگوں نے بڑی غلط تعبیر کی ہے کہ ہم دعا کے ذریعہ نبوت بھی حاصل کر سکتے ہیں۔نبوت ختم ہو چکی ہے رسول کریم صلعم کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبین بنا کر بھیجا۔رسول کریم صلعم نے بھی کہہ دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں تو پھر کہاں سے نبوت آئے گی؟ یہ پاک ہستیاں ہمارے لئے قابل تقلید نمونہ ہیں ان کے نمونے پر چلنے کی دعا ہے نہ کہ نبی بننے کی۔

غیر المغضوب علیھم ولا الضالین

ہرانسان کے لئے عین ممکن ہے کہ وہ صراط المستقیم پر چلتے چلتے راہ بھول جائے اور گمراہ ہوجائے ،کوئی بہت بڑی غلطی کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر آجائے۔صرف محدود کردینا کہ فلاں دین والے گمراہ ہیں اور فلاں پر غضب ہوا ایک محدود نظریہ ہے۔اچھا بھلا مومن ٹھوکر کھا کر گمراہ بھی ہوسکتا ہے اوراس پر اللہ تعالیٰ کا غضب بھی آسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا غضب صرف ایک قوم پر نہیں بلکہ بہت سی قوموں پر آیا مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم،لوط کی قوم،حضرت نوح کی قوم، ہودؑ کی قوم پر اور کتنی قوموں پر اللہ کا غضب ہوا اور وہ غرق کردی گئیں۔کسی قوم کو ناپ تول ٹھیک نہ کرنے پر اور کسی کو چوری کرنے پر اللہ نے غرق کردیا۔یہ دعا اس لئے ہے کہ اللہ نے اگر ہمیں آج سیدھے راستہ پر چلا رکھا ہے تو وہ ہمیں اس پر قائم رکھے اور ہماری حفاظت فرمائے تا کہ ہم گمراہ بھی نہ ہوں اوراس کے غضب سے بھی محفوظ رہیں۔

اگر ہم سورۃ فاتحہ پر ہی عمل شروع کردیں تو ہم تصور کر سکتے ہیں کہ ہم کتنی ترقی کریں گے اور واقعی سات دن میں ہمارے اندر پاکیزگی آجائے گی۔

سورۃ البقرہ کی پہلی پانچ آیات کا خلاصہ بھی خطبہ میں شامل کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جو کامل علم رکھنے والا ہے فرماتا ہے یہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں،متقیوں کے لئے ہدایت ہے اور پھر متقیوں کی تعریف کرکے ہمارے لئے لازم ٹھہراتا ہے کہ ہم متقی بنیں۔ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں،اس کے رزق میں سے خرچ کریں، اللہ اوراس کے رسول،قرآن اور آخرت اور فرشتوں پر یقین کریں تو کیونکر وہ نیک راہیں چھوڑ سکتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم صرف زبان سے نہیں بلکہ عمل سے اس کتاب کو مانیں اوراس کی ہدایت پر چلیں۔اگر واقعی ہمارا یقین پختہ اور مضبوط ہے کہ آخرت برحق ہے تو یہ یاد رکھیں کہ ہمیں خدا کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا کہ کیا کرکے آئے ہو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کتاب پر عمل کرکے اپنے نفسوں کو پاک کرسکیں۔اس پر عمل کرنے والے اور اسے دنیا میں پہنچانے والے بنیں۔آمین

☆☆☆☆

فوز و فلاح کے حصول میں معاون چار احادیث

چوہدری ریاض احمد

اسلام کی جملہ تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو زندگی گزارنے کے لئے رہنما اصول دیئے جائیں جو اس کی دنیوی زندگی کو خوشگوار بنانے کے ساتھ ساتھ اسے اُخروی سعادتوں سے بھی مالا مال کر دیں لیکن قرآن و حدیث کی تعلیمات بے شمار ہیں جن کو ہر وقت ذہن میں تر و تازہ رکھنا اور ان کے مطابق عمل کی راہوں کو متعین کرنا ایک عام آدمی کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ لہٰذا بہت ضروری ہے کہ انسانی زندگی میں چند ایک طے شدہ اصول یا اقدار ایسی ہوں جنہیں ہر وقت یاد رکھنا اور مکمل عمل میں لانا آسان ہو۔ نیز وہ ایسی جامع ہوں کہ زندگی کے الجھے ہوئے معاملات کو سلجھانے میں قدم بقدم انسان کی رہنمائی کر سکیں۔

امام ابوداؤدؒ (مولف سنن ابوداؤد) فرماتے ہیں کہ:

''سنن ابوداؤد میں چار حدیثیں ایسی ہیں جو ایک بندۂ مومن کے لئے اُس کے دین کے معاملے میں کافی ہیں۔''

دوسری طرف امام اعظم امام ابوحنیفہؒ نے اپنے بیٹے حماد سے فرمایا کہ:

''میں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے تمہارے لئے پانچ کو منتخب کیا ہے اگر تم ان پانچ حدیثوں پر عمل کرو گے تو گویا پورے دین پر عمل ہو جائے گا۔''

ان پانچ حدیثوں میں سے بھی چار وہی ہیں جو امام ابوداؤدؒ نے بیان فرمائی ہیں اور جہاں تک پانچویں کا تعلق ہے تو اس پر بھی اُن چار کے ضمن میں ہی عمل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اُسے الگ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا ان چار حدیثوں کو اگر دل و دماغ کی تختی پر نقش کر لیا جائے اور شب و روز کے جملہ اعمال و افعال اور حرکات و سکنات میں ان کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو حیاتِ انسانی کا ایک ایک لمحہ عبادت بن سکتا ہے اور دنیا اور آخرت کی دونوں زندگیوں میں کامیابی و کامرانی حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ چار حدیثیں ہر زمانے کے ہر شخص کے لئے خواہ وہ کسی بھی ملک میں ہو اور کسی بھی شعبے میں ہو، اقدار حیات کا کام دے سکتی ہیں اور مومنانہ زندگی کی تصویر کو مکمل کرتی ہیں۔

پہلی حدیث: **''اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔''**

یہ حدیث مبارکہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا آغاز اس حدیث سے کیا۔ وجہ یہی تھی کہ جب اعمال کا دار و مدار ہی نیت پر ہے تو نیت کا ٹھیک ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر نیت ٹھیک نہیں ہو گی تو عمل بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔ بعض اہل علم نے اسے تہائی دین، بعض نے نصف دین اور بعض نے اسی کو کل دین قرار دیا ہے۔

انسان کے ہر چھوٹے بڑے عمل کے پیچھے کوئی نہ کوئی ارادہ کار فرما ہوتا ہے۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ انسان اپنے ہر عمل کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے سرانجام دے نہ کہ کسی بھی اور غرض و غایت سے۔ اسے کہتے ہیں نیت کا اللہ کے لئے خالص ہو جانا۔ نیت جب اللہ کے لئے خالص ہو جاتی ہے تو پھر انسان کا تھوڑا عمل بھی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پا لیتا ہے اور اس پر زیادہ اجر و ثواب مل جاتا ہے۔ حضور صلعم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر رخصت کرتے وقت جو نصیحتیں فرمائیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ:

''اپنے دین کو خالص کر لے (یعنی ہر کام کا مقصود و مطلوب اللہ کی رضا کو بنا لے) پھر تیرا تھوڑا عمل بھی کفایت کرے گا۔''

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں:

''بعض اوقات عمل چھوٹا ہوتا ہے، نیت اس عمل کو بڑا بنا دیتی ہے اور بعض اوقات عمل بہت بڑا ہوتا ہے، نیت اس عمل کے اجر و ثواب کو تھوڑا کر دیتی ہے۔''

یوں سمجھ لیں کہ نیت کا حُسن رائی کے برابر عمل کے اجر وثواب کو پہاڑوں کے برابر کر سکتا ہے اور نیت کی خرابی پہاڑوں جیسے عمل کے اجر وثواب کو رائی کے دانے کی سطح پر لاسکتی ہے۔ عوام اور خواص (اولیاء ومقربین) میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ اول الذکر لوگ عمل کی مقدار پر زیادہ زور دیتے ہیں جبکہ موخر الذکر لوگ مقدار سے کہیں زیادہ زور عمل کے معیار (اخلاق اور حسن نیت سے عمل بجالانے) پر دیتے ہیں۔

نیت کا عمل دخل فقط اتنا ہی نہیں کہ یہ عمل کے اجر وثواب میں کمی بیشی کا باعث بنتی ہے بلکہ اچھی نیت خالص دنیاداری کے کام کو بھی عین عبادت بنا دیتی ہے۔

حضور صلعم کے فرمان کے مطابق جہاد کی نیت سے پالے گئے گھوڑے کا گوبر اُٹھانا بھی اللہ کی بارگاہ میں باعث اجر وثواب ہے۔ اس کے برعکس نیت کی خرابی عین دین داری کے کام کو بھی دنیاداری بنا کر نہ صرف اجر وثواب سے محروم کر دیتی ہے۔ بلکہ الٹا عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں نماز میں ریاکاری کرنے والوں کو تباہی و بربادی کی وعید سنائی ہے۔ اور ایک مشہور حدیث کے مطابق قیامت والے دن ایک شہید، ایک عالم اور ایک سخی کو محض اس بنا پر جہنم میں بھیج دیا جائے گا کہ ان لوگوں نے اپنے اعمال میں اللہ کی بجائے مخلوق کو خوش کرنے کی نیت کی تھی۔

ہر عمل کی ایک ظاہری (شکل وصورت) ہوتی ہے اور ایک اس میں شامل باطنی نیت۔ کسی بھی عمل کے باعث اجر وثواب بننے کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ان دونوں میں موافقت پائی جارہی ہو۔ اگر کسی عمل کی ظاہری شکل تو پائی جارہی ہو لیکن باطنی نیت موجود نہ ہو تو اس پر ثواب نہیں ملے گا۔ مثلاً:

(۱): اگر ایک آدمی اپنا وزن کم کرنے کے لئے سارا دن کچھ کھاتا پیتا نہیں ہے اور نہ ہی بیوی کے قریب جاتا ہے تو اس بندے کو روزہ دار نہیں کہیں گے گو اس نے ظاہری طور پر روزے کے ارکان پورے کر دیئے چنانچہ اسے اجر وثواب بھی نہیں ملے گا۔ مگر یہی کام وہ روزے کی نیت سے کرتا ہے تو یہ اعلیٰ درجے کی عبادت بن جاتا ہے۔

(۲): اگر ایک آدمی کو کسی نے تالاب میں دھکا دے دیا اور اس کے سارے اعضاء وضو دھل بھی گئے تو امام شافعیؒ کے نزدیک تو اس کا وضو ہوگا ہی نہیں کیونکہ اس نے وضو کی نیت نہیں کی تھی۔ البتہ امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے بقول وضو اس کا ہو جائے گا اور وہ نماز پڑھ سکتا ہے لیکن اسے وضو کا ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اس نے وضو کی نیت نہیں کی تھی۔

نیت کی تین صورتیں

نیت کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں

(۱): حسنِ نیت سے عمل کرنا (۲): نیت بد سے عمل کرنا

(۳): بغیر نیت کے عمل کرنا

پہلی دو صورتیں تو واضح ہیں۔ تیسری صورت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کوئی عمل کر رہا ہو اور اس میں کوئی خاص نیت (اچھی یا بری) شامل ہی نہ ہو۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ اس امت کو نیت بد کے ساتھ عمل کرنے سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا نقصان بغیر نیت کے عمل کرنے سے پہنچا ہے۔ ہم اگر اپنے شب وروز پر غور کریں تو ہمیں صاف دکھائی دے گا کہ ہم روزمرہ کی زندگی میں بہت سے کام بغیر نیت کے کرتے ہیں اگر انہی کاموں میں اللہ کی رضا کی نیت سے کیا جائے تو وہ ثواب بن جائے گا۔ مثلاً

(۱): ہر وہ بندہ جس کے ماں باپ زندہ ہیں وہ ہر دن میں درجنوں مرتبہ ماں باپ کے چہرے کو دیکھتا ہے لیکن اسی دیکھنے میں اگر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی نیت کر لی جائے تو حضور صلعم کے فرمان کے مطابق ہر مرتبہ دیکھنے میں ایک حج مقبول کا ثواب ملتا ہے، چاہے ایک دن میں سو مرتبہ دیکھے۔

(۲): ہر خاوند بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور ہر بیوی خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے مگر اس مسکرانے میں خواہش کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ شریعت نے کہا کہ جب کوئی خاوند بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور بیوی خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے تو اللہ رب العزت ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں لیکن یہ صورت حال تو تب ہی بنے گی جب دونوں کے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت شامل ہوگی۔

(۳): رات کو سوتے وقت عام طور پر لوگ لباس تبدیل کرتے ہیں مگر

یہ کام بالعموم اپنی خواہش اور سہولت کے تحت ہوتا ہے یہی کام اگر حضور صلعم کی سنت سمجھ کر کیا جائے تو عبادت بن جاتا ہے۔ گویا یہاں عادت ہے مگر عبادت نہیں ہے۔ حسن نیت کے ساتھ اس عادت کو عبادت بنایا جاسکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر ہم مذکورہ بالا حدیث کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دن رات کی وہ تمام سرگرمیاں جو حدود شرع میں رہتے ہوئے سرانجام دیتے ہیں (خواہ وہ دینی ہوں یا بظاہر دنیوی) ان میں اپنی نیت کو درست کرلیں تو وہ سب کی سب عبادت بن سکتی ہیں۔ اور ہم چوبیس گھنٹے کے عبادت گزار بن سکتے ہیں۔ گویا ہمارا کھانا، پینا، پہننا، سونا، جاگنا، ہنسنا، رونا، کاروبار کرنا، بیوی بچوں کی پرورش کرنا اور دیگر تمام سماجی کام سرانجام دینا حتیٰ کہ جینا مرنا سب کچھ عبادت بن سکتے ہیں اور یہی ایک بندۂ مومن کا مقصد حیات اور منتہائے کمال ہے۔

دوسری حدیث

''انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی کو ترک کردے''

لایعنی سے مراد ہر وہ کام ہے جو فضول اور بے مقصد ہو۔ جس کا کوئی بھی فائدہ نہ ہو تو دنیوی زندگی کے حوالے سے ہو اور نہ ہی آخروی زندگی کے حوالے سے۔ ایسے کاموں میں مشغول ہونے کا مطلب اپنے وقت کا ضائع کرنا ہے اور وقت کو ضائع کرنا درحقیقت اپنی زندگی کو بلکہ خود اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے۔ جس کا ایک بندۂ مومن متحمل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ قرآن مجید نے کامیاب مومنوں کی علامات میں سے ایک علامت یہ بتائی ہے:

''اور وہ لوگ لغو (فضول اور بے ہودہ باتوں) سے اجتناب کرتے ہی۔''

دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ''اور جب وہ لغو کے قریب سے گزرتے ہیں تو باوقار طریقے سے گزرجاتے ہیں''

دنیا کی زندگی میں انسان کے پاس سب سے قیمتی دولت وقت ہی ہے جتنی زیادہ اس کی قدر کی جائے گی اتنا ہی زیادہ انسان کامیاب ہوگا اور جتنا اسے ضائع کیا جائے گا اتنا ہی ناکام و نامراد ہوگا۔

زندگی محدود ہے اور کام بے شمار ہیں۔ ایسی حالت میں یہ بہت ضروری ہے کہ انسان اپنے وقت کے ایک ایک لمحے کو سوچ سمجھ کر استعمال کرے۔ فضول اور بے کار کاموں سے بچتے ہوئے اسے ضروری اور کارآمد کاموں میں استعمال کرے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ وقت سے کام لینے والے اس تھوڑی سی زندگی میں موجد بن گئے۔ فلاسفر بن گئے، بزرگ اور ولی بن گئے، غرض دین و دنیا کے مالک بن گئے لیکن جن لوگوں نے وقت کو بے کار ضائع کیا وہ محرومیوں، مایوسیوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کا شکار ہوکر رہ گئے اور تیسرے درجے کی انتہائی حقیر اور کیڑوں مکوڑوں والی زندگی گزار کر بالآخر گمنامی کے قبرستان میں دفن ہوگئے۔

حضور صلعم نے فرمایا:

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ خسارے میں رہتے ہیں۔ ایک صحت اور دوسری فراغت''

آج ہماری بہت ساری پریشانیوں اور بدحالیوں کا سبب وقت جیسی انتہائی قیمتی دولت کو بڑی بے دردی سے ضائع کرنا ہے۔ لوگوں کی اکثریت ہر روز اپنا بہت سارا وقت فضول اور بے فائدہ کاموں مثلاً ٹی وی، ڈراموں، فلموں، کھیل تماشوں وغیرہ جیسی خرافات و واہیات میں ضائع کرتی چلی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ایک طرف تو مفید، بامقصد اور ضروری کاموں کو کرنے کی صلاحیت زنگ آلود ہوتی چلی جاتی ہے اور دوسری طرف ان کاموں کے لئے وقت بھی بہت کم بچتا ہے۔ نتیجتاً زندگی محرومیوں کا شکار ہوکر کانٹوں کا بچھونا بنتی چلی جاتی ہے۔ لہذا دنیا و آخرت کی سرفرازیوں کو حاصل کرنے کے لئے بہت ضروری ہے کہ ہم وقت کی قدر کرنا سیکھیں۔ مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں فضول اور بے فائدہ کاموں سے اپنے اوقات کو بچاتے ہوئے حتی الوسع مفید اور کارآمد کاموں میں استعمال کرتے ہوئے حیاتِ دنیوی کے ہر ہر لمحے کو قیمتی بنائیں۔

تیسری حدیث:

''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات (شبہ والی چیزیں) ہیں۔ پس جس نے اپنے آپ کو مشتبہات سے بچالیا اس نے اپنے دین کی حفاظت کرلی۔''

نماز، روزہ حج، زکوٰۃ، صدقہ وخیرات، سچ بولنا وعدہ پورا کرنا، امانت کی حفاظت کرنا وغیرہ وغیرہ جیسی چیزیں واضح طور پر حلال ہیں جن پر ہمیں کاربند ہونا ہے۔ اس کے برعکس جھوٹ، چغلی، غیبت، چوری، ڈاکہ، سود، زنا، خیانت اور شراب نوشی وغیرہ جیسے بہت سارے کام ہیں جن کا حرام اور ناجائز ہونا ہمارے اوپر واضح ہوتا ہے اور ان سے بچنا ہے لیکن انسانی زندگی میں قدم قدم پر ایسے مواقع آتے ہیں جہاں ایک کام کا حلال یا حرام ہونا ہمارے اوپر واضح نہیں ہوتا اور ہمیں پتہ نہیں چل رہا ہوتا کہ وہ جائز ہے یا ناجائز۔ اس کے حوالے سے ذہن تردد اور انتشار کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ دل اور دماغ کے درمیان یا عقل اور ضمیر کے درمیان ایک جنگ سی شروع ہوجاتی ہے۔ ہمارے نفس کی خواہش، طبیعت کا تقاضا یا کوئی اور مصلحت ہمیں اس کام کے کرنے پر آمادہ کر رہی ہوتی ہے جبکہ ضمیر کی خلش اس سے روک رہی ہوتی ہے۔ ایسے تمام مواقع پر تقویٰ کا کمال یہ ہے کہ انسان رک جائے اور ایسے کاموں کے کرنے سے اجتناب کرے جس نے ایسے کاموں سے اپنے آپ کو روک لیا اس نے گویا اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کرلی اور جو ایسے کام کر گزرے گا وہ بالآخران کاموں کو بھی کرنے لگے گا جو واضح طور پر حرام اور ناجائز ہوں گے اور نتیجتاً اپنے دین اور ایمان کو تباہ کرلے گا اور گمراہی کے راستوں پر چل پڑے گا۔

حضور صلعم نے ایک اور حدیث مبارکہ میں اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''جو چیز تجھے شبہ میں ڈالے اسے چھوڑ دے اور اس کو اپنا لے جو شبہ میں ڈالنے والی نہ ہو۔'' (یعنی جس کا جائز اور حلال ہونا یقینی ہو)

لہذا اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لئے اور زندگی کو راست روی پر قائم رکھنے کے لئے ہمیں اس حدیث مبارکہ کو بھی زندگی کی ایک لازمی قدر کے طور پر اپنانا ہے تاکہ زندگی ہر قسم کی گمراہیوں سے پاک ہوکر صراط مستقیم پر گامزن ہوسکے اور ہم دنیا وآخرت کی فلاح وسعادت سے ہمکنار ہوسکیں۔

چوتھی حدیث:

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی نہ پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

اسلام کی جملہ تعلیمات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱): حقوق اللہ (۲): حقوق العباد

حقوق اللہ:

وہ معاملات جو فقط اللہ اور بندے کے درمیان ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ و دیگر عبادات۔

حقوق العباد:

وہ معاملات جو اپنے اردگرد میں بسنے والے انسانوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جہاں تک بیان کا تعلق ہے تو اس میں حقوق اللہ پہلے آتے ہیں اور حقوق العباد بعد میں لیکن عملی اعتبار سے حقوق العباد کی اہمیت حقوق اللہ سے بھی زیادہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جو حقوق اللہ ہیں وہ تو صرف حقوق اللہ ہی ہیں، جو صرف اللہ اور بندے کے درمیان ہیں اور ان میں کوئی تیسرا فریق براہ راست شامل نہیں ہے لیکن جو حقوق العباد ہیں وہ فقط حقوق العباد ہی نہیں بلکہ حقوق اللہ بھی ہیں کیونکہ بندوں کے جتنے حقوق ایک دوسرے کے اوپر ہیں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ نے ہی مقرر فرمائے ہیں۔ لہذا ان کی اہمیت زیادہ ہوجاتی ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سے لوگوں کے لئے حقوق اللہ کی نسبت حقوق العباد کو ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ بہت سارے لوگ جو نماز، روزے وغیرہ کے پابند ہوتے ہیں لیکن دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کا رویہ اسلامی تعلیمات کے برعکس ہوتا ہے گویا وہ حقوق العباد کے معاملے میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔ بنظرِ غائر دیکھا جائے تو معاشرے کے اندر جتنے بھی لڑائی، جھگڑے، فساد، نفرتیں، عداوتیں اور کدورتیں ہیں ان سب کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق تو پورے پورے حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن دوسروں کے حقوق بطریق احسن ادا کرنے سے گریز کرتا ہے یہیں سے معاشرتی زندگی میں ناہمواریوں، محرومیوں اور خرابیوں کا آغاز ہوتا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں حقوق العباد کی ادائیگی کے حوالے سے بہت تاکید کی

گئی ہے۔اور اسکی مختلف جہتوں کے متعلق تفصیلات و جزئیات تک بیان کی گئی ہیں تاہم مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں جو اصول دیا گیا ہے اس ایک اصول کو تھام لیا جائے تو یہ اکیلا ہی انسان کو اس سلسلے کی بقیہ تعلیمات سے بے نیاز کرنے کے لئے کافی ہے۔لطف کی بات یہ ہے کہ حقوق العباد کے معاملے کو ایمان کے ساتھ منسلک کیا جارہا ہے اور بتایا جارہا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک ایمان کی حقیقت یا ایمان کے کمال کو نہیں پاسکتا جب تک اس کا یہ حال ہو جائے کہ وہ ہر معاملے میں جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی کچھ اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرے۔

حقوق العباد کے حوالے سے جتنی بھی کوتاہیاں ہوتی ہیں ان سب کی بنیاد یہ ہے کہ انسانی نفس کا مزاج یہ ہے کہ وہ اپنے لئے تو ہر خیر کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور ہر شر سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے لیکن دوسروں کے معاملے میں وہ ایسا نہیں چاہتا ہے چنانچہ دوسروں کے ساتھ ہر قسم کے ظلم، زیادتی اور حق تلفی کو جائز سمجھتا ہے۔اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ جو سلوک، رویہ اور برتاؤ انسان دوسروں کے ساتھ اپنے لئے چاہتا ہے وہی طرزِ عمل اسے دوسروں کے ساتھ اپنانا ہوگا اور جو اچھائیاں اور بھلائیاں انسان اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے کہ اسے حاصل ہوں ویسی ہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرنا ہوں گی۔گویا اسے دوسروں کا اسی طرح ہمدرد، خیر خواہ اور مخلص بننا ہوگا جیسا وہ اپنی ذات کے ساتھ ہے۔ اس ایک اصول کو اگر اپنا لیا جائے تو ایک طرف تو انسان ایمان کے کمال کو پالیتا ہے اور دوسری طرف معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

مندرجہ بالا چار حدیثوں کو پورے دین کا خلاصہ قرار دیا جاسکتا ہے جن پر عمل پیرا ہونے سے پورے دین پر چلنا آسان ہو جاتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پہلی حدیث مبارکہ تصحیح اعمال کے بارے میں ہے۔دوسری حدیث تضیع اوقات کے بارے میں ہے۔تیسری حدیث حقوق اللہ کے بارے میں ہے اور چوتھی حدیث حقوق العباد کے بارے میں ہے۔

☆☆☆☆

بقیہ: جادو کی اصل حقیقت

صرف ایک چیز سے پناہ مانگنے کی دعا ہے یعنی خناس کے وسوسہ کی شرارت سے اس کو پچھلی سورۃ سے الگ کر کے بتایا ہے کہ شیطان کا وسوسہ سب سے زبردست چیز ہے۔جو انسان کو خیرات سے محروم کر دیتی ہے اور شیطان کو خناس کہا ہے یعنی پیچھے ہٹ جانے والا اور شیطان جو وسوسہ اندازی کرتا ہے تو پیچھے ہٹ کر ہی کرتا ہے۔شیطان علی الاعلان مقابلہ پر آ کر نہیں کرتا اور یہاں پناہ مانگنے کے لئے بھی زبردست لفظ رکھے ہیں۔رب، ملک، الہ، رب پرورش کرنے والا، ملک حکومت کرنے والا، الہ مطلوب اور محبوب حقیقی۔اور شیطان کا وسوسہ تین رنگوں میں ہی ہوتا ہے۔کبھی ربوبیت کے رنگ میں کہ انسان خدا کے سوائے دوسرے کو اپنا پرورش کرنے والا سمجھ لیتا ہے۔کبھی حکومت کے رنگ میں کہ انسان اپنے اوپر دوسرے کی حکومت کو سمجھ کر اس قدر اس کے آگے جھک جاتا ہے کہ خدا کو بھول جاتا ہے۔اور کبھی محبوبیت کے رنگ میں کہ انسان دوسری چیزوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔مال کو، عورت کو، بیٹوں کو، عزت کو، شہرت کو پس یاد دلایا ہے کہ سب کا تربیت کرنے والا ایک ہے۔سب پر بادشاہ بھی ایک ہے۔سب کا محبوب بھی ایک ہے۔پس ان تینوں راہوں سے وسوسہ شیطانی سے اپنا بچاؤ کرو۔یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وسوسہ اندازی کا کام جن بھی کرتے ہیں اور انسان بھی۔

یہ دونوں سورتیں معوذتین کے نام سے موسوم ہیں۔اس لئے کہ ان میں ہر قسم کی برائیوں سے پناہ مانگنے کا طریق بتایا ہے اور یہ ایک دوسرے کے مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔اور یہودی کے سحر، جادو کے قصہ کے متعلق ان کا نازل ہونا صحیح نہیں اور گو یہ روایت بخاری اور مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلعم پر ایک یہودی کے سحر کا جادو اثر ہو گیا تھا مگر یہ قرآن کریم کی ''نص صریح'' (وہ آیت قرآنی جو اپنے معنی اور مطلب صاف اور واضح طور پر ظاہر کرے اور کسی قسم کا شک وشبہ اس میں باقی نہ رہے) اس لئے کہ کفار آپ صلعم کو مسحور کہتے تھے اور یہ بات کہ آپ خیال کرتے تھے کہ آپ نے ایک فعل کیا ہے اور وہ نہ کیا ہوتا کسی طرح قابل قبول نہیں اتنا بڑا واقعہ گروہ کثیر کے علم میں آتا اور اس کی روایت کرنے والے بھی بہت ہوتے حالانکہ یہ روایت صرف ایک ہی راوی کی ہے اور ایسے واقعہ کے متعلق جسے نہ قرآن شریف قبول کرتا ہے نہ عقل صحیح اس کو تسلیم کرتی۔

جادو کی حقیقت

ملک بشیر اللہ خان راسخ

ہمارے معاشرے میں ایک بے حقیقت لفظ ''جادو'' کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ جہاں جہاں جہالت کے دبیز سائے گہرے ہوتے ہیں وہاں وہاں اذہان پر اس لفظ کا غلبہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس لفظ کی تاثیر کے معتقد مختلف قسم کے وساوس اور اوہام کے تحت اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ اس لفظ کی پیروی سے معاشرے میں مختلف قسم کے مسائل جنم لیتے ہیں۔ بداعتمادی، نفرت، حسد، کینہ، بغض، لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت کی فضاء قائم ہوجاتی ہے۔ ہزاروں برس سے جو تاریخ ممکنہ موجود ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس لفظ نے انسان کی قوت عمل کو نقصان پہنچایا ہے۔ مختلف مذاہب کی مسخ شدہ صورت میں یہ لفظ جادو مذاہب کے پیروکاروں پر حکمرانی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جادو کا اقرار مذہب کے ماننے والوں کو اس مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں وہ توحید، رسالت اور معجزات انبیاء کے انکار کا مرتکب ٹھہر جاتے ہیں۔ تمام مذاہب کی ابتدائی صورتوں میں تو اس خیال خام سے بچنے کی تلقین پائی جاتی ہے لیکن بعد میں آنے والے لوگ اس کو مذہب سے جوڑنے اور وابستہ کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ اس کے لئے وہ انبیاء سابقہ اور صالحین گزشتہ کے ساتھ من گھرٹ واقعات اور کہانیوں کو منسوب کرتے اور لوگوں کو گمراہ کرکے ذاتی مفادات حاصل کرنے کی راہ ہموار کرلیتے ہیں۔ اسلام جو دین فطرت ہے اور آخری آسمانی پکار ہے جس نے انسان کو تاریکی اور ظلمت سے نکلنے کا راستہ دکھایا اور توہم پرستی سے نجات دلائی اس کے پیروکاروں نے بھی یہ ظلم کیا کہ اس کے ساتھ بھی ایسی خرافات کو منسوب کرنے سے نہ ہچکچائے۔

جادو کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا؟ کیا واقعی جادو کا وجود ہے؟ کیا اس سے کوئی خاص قوت، طاقت جو غیر مرئی حیثیت رکھتی ہے کا حصول ممکن ہے؟ کیا اس سے کسی چیز کی حقیقت اور حالت کو بدلا جاسکتا ہے۔ اہل کتاب کے ہاں جادو کا کیا تصور ہے؟ اسلام میں جادو کا تصور کیا ہے اور مسلمانوں میں مشہور قصوں مثلاً جادو کے متعلق حضرت سلیمانؑ کا قصہ، ہاروت و ماروت کا قصہ، حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے جادوگروں کا قصہ اور آنحضرت صلعم کے مسحور ہونے کی روایات کی اصل حقیقت کیا ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات آج کل کی تعلیم یافتہ اور باشعور نوجوان نسل مانگتی ہے۔ درج ذیل سطور میں انہی سوالات کا مختصر جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے لیکن یہ موضوع انتہائی دقیق اور پر پیچ ہے جس کے فہم و ادراک کے لئے وسیع بحث و مطالعہ کی ضرورت ہے۔ اپنے خیال و فہم و مطالعہ اور تحقیق سے جو چیز اکھٹی کی وہ پیش خدمت ہے۔

عربی زبان میں جادو کے لئے لفظ ''سحر'' استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی سے ''سحر اسود'' سحر احمر اور سحر ابیض جیسی اصطلاحات عوام الناس میں مروج ہیں جن کو اردو زبان میں کالا جادو، سفلی علم اور نوری علم کے ناموں سے جانا جاتا ہے۔ لفظ ''سحر'' قرآن مجید میں متعدد دفعہ استعمال ہوا ہے۔ قرآن میں اس لفظ کا کیا معنی و مفہوم ہے اس کو جاننے کے لئے درج ذیل سطور قابل غور ہیں۔

لسان العرب میں ہے۔

سحر وہ افسون (فریب، مکاری، دھوکہ) ہے جو آنکھ پر قبضہ کرلیتا ہے اور ہر ایک چیز کا ماخذ لطیف اور دقیق وہ سحر ہے۔ سحر نہایت درجہ کی ذہانت کا بیان ہے اور حدیث ان من البیان لسحرا کو پیش کیا ہے جس کے معنی حضرت ابو عبیدہؓ نے یوں کیے ہیں کہ ایک شخص کسی کی تعریف کرے یہاں تک کہ اپنی صداقت کا لوگوں کو قائل کرلے پھر مذمت کرے یہاں تک کہ لوگوں کو اپنی

صداقت کا قائل کر لے اور ابن الاثیر نے اس کے معنی کیے ہیں کہ وہ سامعین کے دلوں کو اپنی طرف پھیر لیتا ہے گو سچ نہ ہوں۔

تاج العروس میں لکھا ہے الساحر العالم الفطن یعنی بڑے ذہین عالم کو ساحر کہا جاتا ہے (یعنی جادوگر کہا جاتا ہے) انبیاء کو ان کے مخالف کیوں ساحر کہتے تھے۔ صرف اسی وجہ سے کہ ان کی باتوں کا اثر دلوں پر ہوتا تھا اور وہ دلوں کو پھیر دیتے تھے۔

محیط میں ہے کہ لفظ سحر کے بنیادی معنی موڑنے اور پھرنے کے ہیں۔ سحر کا اصل معنی ہے کہ باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنا۔ سحر کا معنی ہے اس کو دھوکا دے دیا۔ المسحور وہ شخص ہے جسے دھوکا لگ گیا ہو جو بار بار مبتلائے فریب ہو جائے۔ وہ شخص جس کی عقل میں خرابی ہو گئی ہو۔ السحر سینہ کے اوپر کا حصہ (پھیپھڑے دل وغیرہ) ہر چیز کا کنارہ اسی اعتبار سے رات کے آخری حصہ کو سحر کہتے ہیں۔ طلوعِ فجر سے ذرا پہلے کا وقت۔

دنیائے عرب اور عربی لغت کی سب سے جید، مقتدر ہستی امام راغبؒ اپنی مشہورِ عالم کتاب مفردات میں لکھتے ہیں:

سحر طرف حلقوم اور پھیپھڑے کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ اسی سے سحر کا اشتقاق کیا گیا ہے اور وہ سحر یعنی گلے اور پھیپھڑے کو نشانہ بنانا ہے۔ سحر مختلف معانی کے لئے بولا جاتا ہے۔ دھوکہ دینا اور بے حقیقت خیالات کا پیدا کرانا جیسے شعبدہ باز کہ جو کچھ بھی کرتا ہے ہاتھ کی صفائی کی بنا پر نظریں بچا کر کرتا ہے اور جیسے کہ چغل خور ملمع کی باتوں کے ذریعہ جو (دوسری طرف سے) کانوں کو بند کر دیتی ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں لفظ سحر اصطلاح شریعت میں ایسی ہر حالت اور کام کو کہتے ہیں جن کا سبب پوشیدہ ہو اور اصل حقیقت کے خلاف نظر آئے۔

امام ابو حنیفہ ابو بکر جصاص رازی، ابو اسحاق السفر ائینی حافظ ابن حزم ظاہری اور معتزلہ کہتے ہیں کہ سحر کی حقیقت شعبدہ، نظر بندی اور فریب خیال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ایک باطل اور بے حقیقت شے ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ سحر کے ذریعہ کسی بھی ماہیت کا انقلاب نہیں ہوتا جمہور کی رائے یہ ہے کہ سحر محض نظر بندی قوت متخیلہ کی شعبدہ بازی کے سوا کچھ نہیں اور تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ فرعونی جادوگروں کا سحر محض تخیل تھا۔

غلام احمد پرویز صاحب کے مطابق سحر اس لفظ کے بنیادی معنی ہیں کسی بات کو موڑ توڑ کر پیش کرنا۔ نہایت لطیف اور دقیق انداز سے دھوکا دینا۔ اس کے بعد یہ لفظ عام دھوکے اور فریب، جھوٹ اور ملمع سازی کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ اسی جہت سے اس کے معنی جادو کے بھی آئے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ لفظ فریب اور جھوٹ کے نہیں بلکہ جادو ہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں یہ بکثرت، جھوٹ اور فریب کے معنوں میں آیا ہے۔ جادو کے معنوں میں بہت کم۔ ساحر کا لفظ باطل پرست، فریب کار کے معنوں میں آتا ہے۔ دربارِ فرعون کے ساحرین جن کا مقابلہ حضرت موسیٰؑ سے ہوا تھا۔ ان کے مندروں کے بہت بڑے پجاری (مذہبی پیشوا) تھے اور چونکہ باطل پرست اور فریب کار تھے اس لئے قرآن نے ساحر کہہ کر پکارا ہے۔ مسحور اسے کہتے ہیں جسے دھوکا لگ گیا ہو (عام لوگوں کے خیال کے مطابق) جس پر کسی نے جادو کر دیا ہو۔ یہ لفظ بعض اوقات ساحر کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ (تبویب القرآن)

دراصل اہلِ عرب اُن چیزوں کو جو لطیف الماخذ اور دقیق الصنعت ہوتی تھیں انہیں سحر کہا کرتے تھے اور جن چیزوں میں سرعت اور چابکدستی اور سحر کی سی گرفت ہوتی کہ چیز اپنی اصلی حقیقت کے خلاف نظر آتی اس کو ''شعبدہ'' کہتے تھے۔ یہ لفظ اصل فارسی لفظ ''شوبست'' سے معرب ہے۔ جس کے معنی افسون یا دھوکہ اور فریب کے ہیں۔ سحر میں اصل چیز فریب ہی ہے۔

اسلام اور سحر

فقہائے اسلام نے ''سحر'' کے متعلق تصریح کی ہے کہ جن اعمال سحر میں شیاطین ارواح خبیثہ اور غیر اللہ سے استعانت کی جائے اور ان کو حاجت روا قرار دے کر منتروں کے ذریعہ ان کی تسخیر سے کام لیا جائے تو وہ شرک کے مترادف ہے اور اس کا عامل کافر ہے اور جن اعمال میں ان کے علاوہ دوسرے

طریقے استعمال کئے جائیں اور ان سے دوسروں کو نقصان پہنچایا جائے ان کا مرتکب حرام اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔

قرآن عزیز میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے:

ترجمہ:''اور سلیمان نے کفر نہیں کیا لیکن شیاطین نے کفر کیا سکھاتے تھے وہ لوگوں کو سحر۔''

اور حدیث میں ہے: ''رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مہلک باتوں سے بچو یعنی شرک سے اور جادو سے۔''

نوویؒ کہتے ہیں عمل سحر حرام ہے اور وہ بالا جماع کبائر میں سے ہے اور نبی کریم صلعم نے اس کو سات مہلک چیزوں میں سے شمار کیا ہے اور سحر کی بعض صورتیں کفر ہیں اور بعض کفر تو نہیں ہیں مگر سخت معصیت ہیں بس اگر سحر کا کوئی منتر یا کوئی عمل کفر کا مقتضی ہے تو وہ کفر ہے ورنہ نہیں بہر حال سحر کا سیکھنا اور سکھانا قطعاً حرام ہے کیونکہ جادو کا سیکھنا یا سکھانا وقت کا ضیاع اور اپنی قوتوں کو بیکار کرنا ہے اس سے عملی طور پر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

قرآن حکیم نے اور دنیا کی کسی عربی لغت نے سحر کا معنی جادو یعنی غیر مرئی طاقت نہیں کیا۔

قرآن حکیم خبر دے رہا ہے کہ مشرکین و کفار سحر کا لفظ جھوٹ، دیوانگی اور دھوکے کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔

برائے کرم غور فرمائیں

منکرینِ اسلام انبیاء کرام کو ساحر کہتے تھے مگر سامنے کھڑے ہو کر گالیاں دیتے اور پتھر مارتے تھے۔کیا یہ ممکن ہے کہ کسی کو غیبی طاقت کا مالک (یعنی جادو گر) سمجھا جائے پھر اسے گالیاں بھی دی جائیں اور اس پر پتھر برسائے جائیں، اپنی جہالت کی وجہ سے لوگ جنہیں تعویزی پیر جادو جن باز سمجھتے ہیں ان سے کتنا ڈرتے ہیں کہ وہ نقصان نہ پہنچا دیں۔لوگ اُن کے سامنے کان تک نہیں ہلاتے بلکہ جھک جھک کر انہیں سلام کرتے ہیں۔

مشرکین عرب سحر ساحر اور مسحور کے الفاظ سے جھوٹ، دھوکے باز اور دیوانہ مراد لیتے تھے۔

جادو کی دور جدید میں کیفیت و حقیقت

شعبدہ باز، عجیب و غریب کرتب دکھلانے والے اور آنکھوں کو چکمہ اور دھوکہ دینے والے دنیا میں اب بھی موجود ہیں۔1965ء کے بعد پاکستان میں ترکی کے ایک نامور عالمی شہرت یافتہ جادوگر ڈاکٹر دان قادرار اولپنڈی تشریف لائے، کئی ممالک کے سربراہان کے سامنے اپنی شعبدہ بازیاں دکھلا کر کئی گولڈ میڈلز بھی حاصل کیے ہوئے تھے۔راولپنڈی کے ایک وسیع پارک میں انہوں نے اپنے فن کا مظاہرہ کر کے لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا لیکن یہ تمام دکھائی جانے والی چیزیں آنکھوں کو دھوکہ دینے والی تھیں۔مسمریزم و ہپناٹزم کے ڈاکٹر صاحب ماہر تھے۔اس مجمع کی انہوں نے حصار بندی کی ہوئی تھی لہذا وہ اپنی مرضی سے ہمیں اور ہماری آنکھوں کو دھوکہ دینے والی چیزیں دکھاتے تھے۔ ہمیں وہی نظر آتی تھی مگر درحقیقت اُن میں کوئی صداقت نہ تھی۔اس طرح 70-60 کی دہائی تک پاکستان میں سرکس، میجک شوز، جادوگری کے کمالات، عیدالفطر، عیدالضحیٰ کے موقع پر میلہ میں بذریعہ ٹکٹ دکھائے جاتے تھے اور سڑک کنارے اکثر اُس زمانہ میں مداری لوگ بڑا مجمع اکٹھا کر کے نہایت عمدہ شعبدہ بازی کے کمالات دکھاتے تھے۔آج یہ نہیں ہوتا، انٹرنیٹ پر دیکھنے کو مل جاتا ہے۔زمین پر ایسی کوئی ہستی، شخصیت نہیں کہ جو کسی کا کاروبار بند کردے، کوئی بیماری بذریعہ علم (کالاعلم) ڈال دے۔کسی کو کالی ہانڈی موم یا مٹی کا مجسمہ بنا کر اس میں سوئیاں پیوست کر کے کسی بھی شخص کو مار ڈالے، اُلو کا پر، اُلو کا خون، قبرستان زندہ کالے بکرے کے جسم میں قبرستان میں جا کر 300 سوئیاں پیوست کر کے دشمن کو مار ڈالے۔یہ بازاری عامل، جادوٹونہ کے دعویدار نہایت بلکہ بدترین افراد بازاروں اور دفتروں میں بیٹھے ہیں اور مسائل و مصائب کا شکار عورتوں مردوں کو مختلف چالبازیوں، شعبدہ بازیوں اور شرارتوں سے لوٹتے ہیں۔

اگر جادو کا کوئی اثر ہوتا تو کانگریس، نریندر مودی کو بذریعہ جادو نقصان پہنچا دے، ذوالفقار علی بھٹو بذریعہ جادوگر جادو کروا کر جلا دسے بچ جاتے۔

انڈین کرکٹ ٹیم بذریعہ جادو ہر ٹورنامنٹ جیت جاتے ،نواز شریف صاحب کے تو واجپائی دوست تھے انڈیا سے پرویز مشرف کے خلاف جادو کروا لیتے ۔ پرویز مشرف کے من موہن سنگھ دوست ہیں اُن کے ذریعہ موجودہ حکومت کو بذریعہ جادو چلتا کریں ۔ دہشت گردوں کو بذریعہ جادو ختم کر دیں ۔ بذریعہ جادو ملک کو قرضہ، لوڈ شیڈنگ بجلی ،گیس سے نجات دلا دیں ۔ جادو سے ایسا کوئی بھی عمل سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔

قرآن اور جادو کے قصوں کی حقیقت

قصہ ہاروت و ماروت اور سلیمانؑ کی حقیقت

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 102 میں سحر (جادو) کا ذکر کر کے فرمایا کہ یہودی یہ کہہ کر اس کا اتباع کرتے ہیں کہ یہ دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اترا تھا۔اس کی نفی کی ہے ۔ ہاروت ماروت کے جس قدر بے سروپا قصے بعض مفسرین نے لکھ دیئے ہیں ۔ان کی اصل یا مجوسیوں میں کچھ ملتی ہے یا یہودیوں میں ۔قرآن اور حدیث ان خرافات سے پاک ہے ۔اپنی تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے ان قصوں کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ رؔوایت فاسق اور مردود ہے ،شہاب عراقی نے کہا ہے کہ جو شخص ان باتوں کو مانتا ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتے ہیں جن کو زہرہ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے وہ اللہ کا کافر ہے کیونکہ ملائکہ معصوم ہیں وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتے ۔ روح المعانی میں ہے کہ ان قصوں میں سے رسول اللہ صلعم سے کچھ بھی ثابت نہیں۔

اے کاش اسلام کی کتابوں میں ان خرافات میں سے کچھ نہ ہوتا جن کو کوئی عاقل قبول نہیں کر سکتا۔غرض یہ قصے اہل علم کے نزدیک مردود ہیں ۔ ہاروت ماروت کا قصہ بنانے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فرشتے جو اوندھے منہ بابل کے کنوئیں میں لٹکے ہوئے ہیں لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں مگر پہلے یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک آزمائش ہیں پس ہم سے جادو نہ سیکھو،اس سارے بے سروپا قصہ کا انکار کیا ہے اور فرمایا وہ کچھ سکھاتے ہی نہیں جو یہ کہنے کی نوبت آئے کہ ہم فتنہ ہیں تم ہم سے جادو سیکھ کر کافر نہ بنو۔

قرآن کریم نے سحر کا سیکھنا ،سکھانا شیاطین کا کام بیان فرمایا ہے، مسلمانوں کو ان خرافات سے بچنا چاہیے ۔شیاطین سلیمان علیہ السلام کو تو کچھ پڑھ کر نہ سناتے تھے ۔آپ پر جھوٹ بولا گیا۔آپ پر افتراء کیا گیا۔گویا سلیمانؑ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کر کے ان کا کلام الٰہی ہونا ظاہر کرتے تھے ۔ملک کے عام معنی بادشاہت ہے ۔اس آیت میں مراد نبوت ہے جیسا کہ اللّٰھم مالک الملک کی تفسیر میں مجاہد سے ملک کے معنی نبوت مروی ہیں ۔ حضرت سلیمانؑ کا اہل ملک یہی نبوت ہی تھی ۔

سلیمانؑ ابن داؤد کا زمانہ مسیحؑ سے 977 سال بیشتر ہے اور بنی اسرائیل میں شان وشوکت کے لحاظ سے اور وسعت مملکت کے لحاظ سے ان کے برابر کوئی نہیں ہوا۔آپ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی ۔سلیمانؑ پر یہودیوں کا افتراء یہ بتا کر کہ حضرت محمد صلعم کے ظہور پر یہودیوں نے کس طرح کتاب اللہ کو پس پشت پھینک دیا ،اب بتاتا ہے کہ بجائے کتاب اللہ کی پیروی کے یہ لوگ ان جھوٹی باتوں کے پیچھے لگ گئے ہیں ۔ جو شریر اور مفسد لوگ حضرت سلیمانؑ پر افتراء کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور ان باتوں کے ذریعہ سے حق کو مٹانا چاہتے ہیں ۔ بہت سی جھوٹی باتیں یہودی ، سلیمانؑ کی طرف منسوب کرتے تھے ۔جن میں سے کچھ حصہ مسلمانوں نے بھی لے کر سحر سلیمانی اور نقش سلیمانی بنا لیے ۔شیاطین سے مراد وہی لوگ ہیں جو اس قسم کی باتیں حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کرتے تھے ۔

حضرت سلیمانؑ کی طرف کفر وشرک کی نسبت بائبل میں

یہ اس لئے فرمایا کہ یہودیوں کی بعض اقوام کو حضرت سلیمانؑ سے اس قدر بغض ہو گیا تھا کہ انہوں نے سلیمانؑ کی طرف کفر وشرک منسوب کر دیا یہاں تک کہ یہ باتیں بائبل میں داخل ہو گئیں چنانچہ اسلاطین میں ہے کہ جب سلیمانؑ بوڑھے ہوئے تو اُن کی جورؤوں (بیویوں) نے ان کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کی طرف مائل نہ تھا۔پھر آگے آتا ہے کہ سلیمانؑ کا دل خدا سے برگشتہ ہو گیا تھا اور خداوند اس پر غضبناک ہوا۔

بائبل میں تحریف اور قرآن کریم کا اس کی اصلاح کرنا

یہ اگر ایک طرف بائبل میں تحریف کا قطعی ثبوت ہے کہ ایک نبی کی طرف

ایسی بیہودہ باتوں کو منسوب کیا ہے تو دوسری طرف قرآن کریم کے ان کتابوں پر محافظ ہونے کا ثبوت ہے کہ ان کی غلطی کو ظاہر کیا۔ آج عیسائی محققین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ بائبل کا یہ بیان غلط ہے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا ببلیکا میں ہے غالبًا یہ تو صحیح ہے کہ سلیمانؑ کی بہت سی بیویاں تھیں جن میں سے کچھ اسرائیلی قوم اور کچھ غیر اسرائیلی تھیں مگر اُس نے ان سب کے لئے قربان گاہ نہیں بنائے تھے۔ نہ ہی اس نے ان بیبیوں کے دیوتاؤں کی پرستش کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ملانے کا کبھی ارتکاب کیا۔ قرآن کریم کی کیسی صداقت نظر آتی ہے۔ عظمت نظر آتی ہے کہ جو بات 1400 سو سال بیشتر بغیر بائبل کے پڑھے ایک اُمی (حضرت محمد صلعم) کے منہ سے نکلی۔ آج تحقیق کے بعد وہی درست ہوئی اور بائبل کا اپنا بیان غلط ثابت ہوتا ہے۔ پس قرآن بائبل سے نقل نہیں کرتا بلکہ بائبل کی غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے۔

سحر اور تخیلات ان دھوکے کی باتوں کو کہتے ہیں جن کی حقیقت کچھ نہ ہو۔ (امام راغبؒ امام لغت عربی)

اور جوھری کا قول ہے: ''وہ امر جس کی اصل دقیق اور لطیف ہو وہ سحر ہے''۔

اور حدیث میں ہے کہ: ''بعض بیان سحر کا حکم رکھتا ہے''

مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ پس شیطانوں کے لوگوں کو سحر سکھانے سے دھوکے کی باتیں اور تخیلات سکھانا مراد ہے۔ جن کی اصلیت کچھ نہ تھی۔ جیسا کہ اب بھی بہتیرے شیطان ایسی باتیں لوگوں کو بتاتے رہتے ہیں۔ سحر کے معنی جو قلب ماہیت عام لوگوں نے بنا رکھے ہیں۔ اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ یہ بتایا کہ شیاطین یعنی شریر لوگ ایک تو حضرت سلیمانؑ پر کچھ افتراء کر کے لوگوں کو سناتے ہیں اور یہودی اس کی پیروی کرتے ہیں اور دوسرے یہ لوگ اس سحر کی پیروی کرتے ہیں جس کی تعلیم دینے والے بھی شریر ہیں۔ اس سحر کو وہ کس طرف منسوب کرتے ہیں۔ بابل ایک نہایت قدیم اور بڑا شہر تھا جو مدت تک عراق کا دارالخلافہ رہا۔ دریائے فرات پر واقع تھا جس کے دونوں طرف اب اس کے کھنڈرات باقی ہیں۔ مسیحؑ سے 2300 سال بیشتر بھی یہ دارالخلافہ تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس کے گرداگرد کی فصیل 55 میل تھی۔ بخت نصر کے زمانہ میں بھی یہ عروج پر تھا۔ بعد میں تباہ ہو گیا۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر 102 ما انزل میں ما نافیہ ہے ابن جریرؒ نے اس معنی کی روایت کی ہے۔ کیونکہ فرشتوں کو کبھی رسول بنا کر دنیا میں نہیں بھیجا جاتا چہ جائیکہ ان پر سحر نازل ہو۔ ہاروت ماروت کا قصہ یہودیوں نے ایرانیوں سے لیا ہے۔ یہودیوں کے تعلقات ایرانیوں سے بھی تھے۔ جن کو اب وہ اسلام کے خلاف اکسا بھی رہے تھے اور ایرانیوں سے ہی انہوں نے ہاروت ماروت کا قصہ لیا تھا۔ جن میں یہ مشہور تھا جیسا کہ سیسل نے لکھا ہے کہ:

بابل میں ہاروت ماروت پر کچھ نازل ہوا تھا جو دونوں فرشتے تھے اور کہ وہ لوگوں کو کچھ سحر کی باتیں سکھاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہاں دو قسم کی باتوں کی نفی کی ہے۔ ایک اُن کی جو سلیمانؑ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ دوسرے ہاروت ماروت کے قصہ کی اور اُن پر سحر (جادو) نازل ہونے کی اور جس طرح پہلے سلیمانؑ کی طرف منسوب شدہ باتوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا۔

قصہ فرعون و موسیٰؑ

ترجمہ: ''اور موسیٰ علیہ السلام آئے کہا اے فرعون میں جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں، اور اس پر قائم کہ اللہ پر سوائے حق کے کچھ نہ کہوں، میں تمہارے رب سے کھلی دلیل لایا ہوں سو بنی اسرائیل کو میرے پاس بھیج دے۔ اُس نے کہا اگر تو کوئی نشان لایا ہے تو وہ لے آ اگر تو سچا ہے تب اُس نے اپنا عصا ڈالا تو ناگہاں وہ صریح اژدھا تھا۔ اور اپنا ہاتھ نکالا تو ناگہاں وہ دیکھنے والوں کے لئے سفید تھا۔ فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا یقیناً یہ کوئی دانا جادوگر ہے۔ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے سو تم کیا مشورہ دیتے ہو۔ بولے اس کے بھائی کو ڈھیل دے اور شہروں میں نقیب بھیج دے وہ تیرے پاس ہر دانا جادوگر کو لے آئیں اور جادوگر فرعون کے پاس آئے کہنے لگے ہم کو اجر تو ضرور ملے گا اگر ہم ہی غالب رہے ہاں اور تم یقیناً (میرے) مقربوں میں سے ہو گے۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام یا تو تو ڈال یا ہم پہلے ڈالنے والے ہوں، کہا ڈالو سو جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی آنکھوں کو دھوکا دیا اور اُن کو ڈرایا اور ایک بڑا فریب بنا کر کھڑا کیا۔ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی اپنا

سونٹا ڈال پس وہ فوراً اُسے نگل گیا وہ جو جھوٹ بناتے تھے۔''

(سورۃ الاعراف ۱۰۴ تا ۱۱۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اصل کام فرعون سے بنی اسرائیل کو چھڑانا تھا کیونکہ آپ قوم کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

عصا اور ید بیضا

عصا: آئمہ لغت نے لکھا ہے کہ عصا کے اصل معنی اجتماع اور ایتلاف کے ہیں۔یعنی اکٹھا ہونا بلکہ اصمعیؒ کہتے ہیں عصا کے معنی سونٹا اس لئے آتے ہیں کہ اس پر انگلیوں کا اجتماع ہوتا ہے۔اس لئے عصا کے معنی جماعت اور عصوت کے معنی''میں نے جمع کیا لغت میں آتے ہیں۔عصا کے معنی جماعت، سونٹا دونوں ہوسکتے ہیں۔خوارج کے متعلق آتا ہے سقو اعصا المسلمین یعنی مسلمانوں کی جماعت میں اختلاف ڈال دیا۔ید بیضا میں اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل نیرہ کی طرف بھی ہے جو دلوں کو کھا جائے چنانچہ فرعونیوں کا غرق ہونا اور جادوگروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ان دونوں معجزوں کی اصل حقیقت پر شاہد ہے۔

ساحر (جادو کرنے والا) سحر جادو میں پچھلی سطور میں تفصیلاً بیان کر چکا ہوں۔جادوگروں کی سونٹیاں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا۔اس واقعہ کے دو پہلو ہیں ایک بیان کر دیا ہے۔دوسرا مقابلہ فرعون نے اپنے چالاک آدمیوں سے جادوگروں سے کچھ فریب کاری اس قسم کی کرائی ہو جس سے لوگوں کو خیال ہو جائے کہ فرعون میں کچھ خدائی ہے تو یہ امر بھی قرین قیاس ہے کیونکہ عموماً مشرک قومیں بہت توہم پرست ہوتی ہیں۔ایسے لوگوں کو اس قسم کی شعبدہ بازی سے مرعوب کر لینا بہت آسان ہوتا ہے۔چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدھا بننے کا معجزہ مشہور ہو چکا تھا تو فرعونی جادوگروں نے یہ سمجھا کہ یہ کوئی چالاکی ہے۔

عصا جو خداوند کریم کی وحی سے موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کے سانپ کے مقابلہ پر پھینکا تو سانپوں کو کھا گیا اور ان کا کچھ باقی نہ رہنے دیا (کس طرح پر ہوا) اس کی تفصیل قرآن شریف میں نہیں نہ کہیں یہ ذکر ہے۔یہ عصا اژدھا بن گیا تھا۔یہ ذکر ہے کہ ان کی سونٹیاں سانپ بن گئیں تھیں۔صرف اس قدر ذکر ہے کہ ان کے جادو سے وہ دوڑتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب عصا ڈالا تو وہ جادوگروں کے جھوٹ کو کھا گیا اور حق ظاہر ہو گیا۔

جادوگروں کا ایمان لانا اور بائبل

جادوگروں کے ایمان لانے کا ذکر بائبل میں نہیں جہاں اس مقابلہ کا ذکر ہے۔مگر یہودیوں کی روایات میں اس کا ذکر موجود ہے۔جہاں بنی اسرائیل کے مصر جانے کا لکھا ہے کہ: ایک دوسری بڑی جماعت مل جل کر اُن کے ساتھ گئی۔جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور یہودی انسائیکلو پیڈیا میں ہے'' کیونکہ مصری جب موسیٰ علیہ السلام کی پہاڑ سے واپسی کا وقت گزر گیا۔ان میں سے چالیس ہزار اکٹھے ہو کر آئے۔دو مصری جادوگر ییلنس اور یمبریس کے ساتھ اور ییلنس اور یمبریس وہی جادوگر تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر آئے جیسا کہ 2 تمطاؤس 3:8 سے ظاہر ہے۔

حضرت محمد صلعم اور جادو

نبی اکرم صلعم پر جادو کے ہونے کی چند روایات بخاری و مسلم میں ملتی ہیں۔جن کو اکثر لوگ سچ مان بیٹھے ہیں کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم پر جادو ہو گیا تھا۔مگر امام ابوحنیفہ اور دیگر کئی آئمہ احناف وعلمائے محققین نے عقلاً ونقلاً ان احادیث کو نا قابل قبول قرار دیا ہے۔اہل تشیع حضرات نے جادو کے واقعہ کو من گھڑت اور رسول اکرم صلعم کے خلاف سازش قرار دیا ہے۔

مولانا محمد علیؒ نے بھی تفسیر بیان القرآن اور فضل الباری میں آنحضرت صلعم پر جادو ہونے کی نفی کی ہے اور ان احادیث کا ضعیف ہونا ثابت کیا ہے۔لوگوں نے از خود ہی ان روایات کا تعلق معوذتین سے بھی جوڑ دیا ہے کہ آنحضرت صلعم پر جادو ہونے کی وجہ سے یہ دونوں سورتیں جادو کے توڑ کے طور پر نازل ہوئیں۔حالانکہ

صحاح ستہ میں کہیں بھی معوذتین یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے متعلق یہ نہیں آیا کہ یہ جادو کے توڑ کے لئے نازل کی گئیں۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ آنحضرت صلعم پر جادو ہوا تھا تو قرآن نے تو ظالموں کا یہ قول بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلعم جادو زدہ ہیں۔ ''اور ظالم کہتے ہیں کہ تم تو ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔'' (الفرقان ۸)

آپ صلعم کو جادو زدہ ماننا واقعی ہی ظلم عظیم ہے۔ آپ صلعم پر جادو ہونے کو ماننے والے یہ بھی مانتے ہیں کہ اس جادو کا اثر پورے چھ ماہ آپ صلعم پر رہا اور اس دوران کسی کام کے متعلق خیال فرماتے کہ کر لیا ہے لیکن نہیں کیا ہوتا۔ ازواج مطہرات کے متعلق خیال کرتے ہیں کہ ان کے پاس گئے ہیں لیکن نہیں گئے ہوتے۔ بعض اوقات اپنی نظر پر بھی شبہ ہوتا کہ ایک چیز کو دیکھا ہے مگر نہیں دیکھا ہوتا۔

یہ عقیدہ رکھنا تو عصمت انبیاء کے خلاف ہے کیونکہ امت متفقہ فیصلہ اور ایک مسلمہ عقیدہ ہے کہ انبیاء کو کوئی دماغی عارضہ ہونا ناممکن ہے کیونکہ انبیاء کو مضبوط قویٰ عطا کیے جاتے ہیں تا کہ وہ نبوت کے کام کو صحیح سے سرانجام دے سکیں۔

اس بات سے تو انبیاء کی نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ نبی کے دندان مبارک شہید ہو جائیں یا زخمی ہو جائے یا قتل کیا جائے لیکن یہ بات نبی کی شان میں گستاخی ہے اور اس بات کا اثر بلاواسطہ نبی کی نبوت پر پڑتا ہے جس شخص کو کوئی دماغی عارضہ ہو وہ تو شریعت کا پابند نہیں رہتا اور نہ اس کا حساب کتاب ہوگا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ ایک شخص کو منصب نبوت پر کھڑا کرے اور اس کا دماغ بھی مفلوج ہو جائے یا کر دیا جائے۔ معوذتین کی بابت چند باتیں درج ذیل ہیں:

سورۃ الفلق میں ہے:

ترجمہ: ''اور عزیمتوں میں پھونکنے والی کی شر سے اور حسد کرنے والی کی شر سے جب وہ حسد کرے''

نفثت، نفث، نفل سے کم ہے یعنی تفل میں کچھ تھوک بھی ساتھ ہوتا ہے اور نفث نفخ کی طرح ہے۔ منتر پڑھنے والے کے متعلق کہا جاتا ہے۔ نفث الراقی اور حدیث میں ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان رُوح القدس نفث فی رُوعی جس سے مراد ہے کہ رُوح القدس نے مجھے وحی کی یا میرے دل میں ڈالا۔

عقد، عقدۃ کی جمع ہے اور یہ اس کا نام ہے جو مضبوط باندھ لیا جائے۔ نکاح ہو یا قسم یا اور کچھ لاتعزموا عقدۃ النکاح (البقرہ 235) اور عقدۃ روک کو بھی کہتے ہیں واحلل عقدۃ من لسانی اور ساحرہ جو گانٹھ دیتی ہے اسے بھی عقدۃ کہا جاتا ہے او اس کی اصل عزیمت سے ہے۔ اس لئے اسے عزیمت بھی کہا جاتا ہے (امام راغب امام) اور حدیث دعا میں ہے لک من قلوبنا عقدۃ الندم جس سے مراد ندامت پر عزم پختہ کر لیا اور ایک اور حدیث میں ہے لا احل عقدۃ جہاں عقدۃ کے معنی عزم میں اور ہر شے کا عقد اس کا ابرام یعنی پختہ یا محکم کر لینا ہے۔ انسان کے پختہ عزم میں رکاوٹ ڈالنے والے اور ایک قسم کی مشکلات کا مقابلہ ہوتا ہے یعنی اس کام میں رکاوٹ ڈالنے والے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہاں جن کو نفاثات فی العقد سے تعبیر کیا ہے۔

نفاثات فی العقد

اس کے اگر مشہور معنی بھی لئے جائیں تو اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جادو سچ مچ کوئی ایسی چیز ہے جس سے کام میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے بلکہ یہ دھوکہ باز لوگوں کی کاروائیوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ نفاثات سے مراد نفث کرنے والی جماعتیں ہیں اور نفث کے معنی میں وسعت ہے۔ دل میں خیالات ڈالنا یا غضب وغیرہ سے پھونکیں مارنا اسکے اندر شامل ہے اور عقدۃ کے معنی عزم یا استحکام امر ہیں۔ گویا یہاں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو انسان کے عزم کو اپنی پھونکوں سے برباد کرنا چاہتے ہیں۔

جادو اور کالا جادو در حقیقت کوئی چیز نہیں ہے

سورۃ الفلق کو بمعہ ترجمہ اور تفسیر سے اہم نکات لے کر پیش کر دیا۔ سورۃ الناس، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس دونوں مبارک سورتوں کا نزول ایک ہی وقت میں ہوا۔ یہ ایک دوسرے کے مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔ سورۃ الناس، سورۃ الفلق کے مضمون کی تکمیل ہے۔ اس سورۃ الناس میں (بقیہ صفحہ نمبر 15)

حج اور اس کی اہمیت

فضل حق (سابق امام فجی)

ترجمہ: ''پہلا گھر جولوگوں کے لئے مقرر کیا گیا یقیناً وہی جو مکہ میں ہے، برکت دیا گیا اور سب قوموں کے لئے ہدایت ہے۔ اس میں کھلے کھلے نشان ہیں مقام ابراہیم اور جو وہاں داخل ہوا امن والا ہو گیا اور لوگوں پر اللہ کے لئے اس گھر کا حج کرنا ہے اس پر جو اس تک راہ پا سکے اور جس نے انکار کیا تو اللہ جہانوں سے بے نیاز ہے۔'' (سورۃ آل عمران 97-96)

ان آیات مبارکہ میں حج کی فرضیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ لفظ الحج کے لغوی معنی ''القصد للذیارہ '' یعنی کسی چیز کی زیارت کا قصد کرنا اور اصطلاح شریعت میں اس کے معنی ضروری عبادات کی بجا آوری کے لئے بیت اللہ کو جانا۔

اسلامی عبادات میں حج بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک مشہور حدیث میں بیان ہوا ہے کہ:

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی گواہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے مہینے کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔'' (بخاری)

حج کی یہ عبادت بہت زیادہ اجر وثواب کی حامل ہے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان۔ پوچھا گیا: اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد۔ پوچھا گیا: اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: وہ حج جسے ادا کرتے ہوئے، اس کے سارے تقاضے پورے کیے گئے ہیں۔'' (متفق علیہ)

آپ نے ایک دفعہ لوگوں سے کہا:

''اے لوگو، اللہ نے تمہارے اوپر حج فرض کیا ہے۔ لہذا حج کرو۔ جو شخص اللہ کے لئے حج کرے، پھر نہ کوئی فحش بات کرے اور نہ کوئی گناہ کرے، تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل آئے گا، جسے وہ اس روز (گناہوں سے پاک تھا) جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔ اور ایک عمرے کے بعد دوسرا عمرہ، درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے اور وہ حج جسے ادا کرنے میں سارے تقاضے پورے کیے گئے ہوں، اس کا بدلہ، لازماً جنت ہے۔'' (متفق علیہ)

قرآن مجید نے ملت ابراہیمی کی اس عبادت کو اس کے صحیح طریقے پر پھر سے استوار کیا ہے۔ یہودیوں نے ملت ابراہیمی کے مرکز، خانہ کعبہ، حج اور بنی اسماعیل کی تاریخ مسخ کرنے کے لئے، اپنی کتاب میں اس کے تمام شواہد بگاڑ دیئے یا ان میں تحریف کر دی تھی۔ قرآن مجید نے ان کی اس حرکت پر انہیں تنبیہ کی اور اس کے بعد فرمایا:

''اس میں کھلے نشان ہیں مقام ابراہیم اور جو وہاں داخل ہوا امن والا ہو گیا اور لوگوں پر اللہ کے لئے اس گھر کا حج کرنا ہے اس پر جو اس تک راہ پا سکے اور جس نے انکار کیا تو اللہ جہانوں سے بے نیاز ہے۔'' (سورۃ آل عمران 97)

وہاں واضح نشانیاں ہیں۔ مسکن ابراہیم ہے، جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے۔ اور اللہ کی خاطر، لوگوں پر، اگر وہ اس کی استطاعت رکھتے ہوں، بیت اللہ کا حج فرض ہے۔ اور جس نے کفر کیا تو (جان رکھو) اللہ عالم والوں سے بالکل بے پرواہ ہے۔''

اس آیت کا یہ پہلو، اس حدیث میں بھی نمایاں ہوا ہے، جس میں آپ نے ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے جو حج نہیں کرتے دراں حالیکہ اس کی راہ میں کوئی قابل لحاظ چیز حائل نہیں ہے:

''حضرت ابوامامہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جسے حج سے کسی بڑی ضرورت، کسی ظالم حکمران، اور کسی بے بس کر دینے والے مرض نے نہیں روکا اور وہ حج کیے بغیر مر گیا تو (خدا کو اس کی پرواہ نہیں کہ) وہ مرے، خواہ یہودی ہو کر، خواہ نصرانی ہو کر۔''

اس حدیث کو قرآن مجید کی روشنی میں دیکھیں تو اہل اسلام کی طرف سے حج اور شعائر حج سے بے اعتنائی کو یہودیوں اور نصرانیوں کا رویہ قرار دیتی ہے، جسے ایک مسلمان، غیر شعوری طور پر اختیار کر لیتا ہے مگر یاد رہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کے افراد اس ہدایت کے تحت حج سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ظالم اور جابر حکمرانوں نے اپنی کرسی بچانے کے لئے لاکھوں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا اور قرآن کریم کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 114 کی کھلے عام تکذیب کی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور اس سے بڑا کون ظالم ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا ہے کہ اُن میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے اور اُن کے ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے ان کو مناسب نہ تھا کہ اُن میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔'' (سورۃ البقرہ ۲۔۱۱۴)

جماعت احمدیہ کے افراد کو گورنمنٹ کی طرف سے حج کرنے کی ممانعت کے باوجود جماعت احمدیہ لاہور کے **امیر سوئم ڈاکٹر سعید احمد خان مرحوم** نے اپنی ''ڈائری'' میں ایک تحریر لکھی جس میں انہوں نے حج کے متعلق مدلل انداز میں اپنی رائے پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''احمدیوں پر حج کی ممانعت ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ یہ ظلم عظیم آخر ختم ہو گا مایوسی کی بات نہیں۔ انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ۔ حج ارکان اسلام میں ہے۔ جبری ممانعت پر آزردگی قدرتی امر ہے۔ حج اور بیت اللہ کی محبت اور زیارت کی تمنا کو دلوں سے ہر گز کم نہ کرنا چاہیے۔ اس مقدس مقام کی محبت اور حج میں دلچسپی قائم رکھنا ضروری ہے۔ جن لوگوں کو اس دفعہ حج کی سعادت نصیب ہوئی (بیس لاکھ کی تعداد بتائی گئی ہے) حج مبارک ہو اللہ ہمارے لئے بھی راہیں کھول دے۔

حج کے لئے جس طرح پہلے روپیہ علیحدہ کیا جاتا یا جمع کیا جاتا تھا۔ وہ عمل اب بھی ہمیں جاری رکھنا چاہیے۔ اگر عمر بھر کے انتظار کے بعد بھی موقع نہ ملے تو یہ جمع شدہ رقم اللہ کی راہ میں کسی دینی مقصد میں خرچ کر دینی چاہیے۔ حیات گل کفش دوز دیب گراں کا واقعہ۔ اُس شخص نے حضرت صاحب کا زمانہ پایا اور قادیان جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ (اس سفر کا ایک لطیفہ: ٹکٹ کی خرید کے موقعہ پر اُس کا والد کو کہنا کہ جو مانگے فوراً نہ دے دینا۔ دُور سے چکانا شروع کرنا کہ جائز رقم پر فیصلہ ہو جائے) اس شخص نے چھ سو روپیہ جو حج کے لئے پیسہ پیسہ کر کے جمع کیا تھا۔ جب دوران پہلی عالمی جنگ، حج بند ہو گیا تھا۔ 1916ء میں قرآن کی تفسیر انگریزی کے سلسلہ میں بطور چندہ انجمن کو دے دیا۔ حضرت امیر مرحوم نے اپنی جلسہ سالانہ کی تقریر میں اس کا خصوصی ذکر فرمایا تھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کا حج کے متعلق واضح فتویٰ ہے: ''جس پر حج فرض ہو چکا اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔'' (کشتی نوح ص ۱۵)

حج کی حقیقت

قرآن مجید کی روشنی میں دین پر غور کریں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دین کا بنیادی مقصد تزکیہ نفس ہے۔ نفس کے چار پہلو ہیں۔ ایک پہلو نفس کا حیوانی وجود ہے، دوسرا پہلو عقلی وجود، تیسرا روحانی اور چوتھا پہلو اس کا اخلاقی وجود ہے۔ حج کی یہ عبادت نفس کے روحانی وجود کے تزکیہ کا ذریعہ ہے۔

نفس انسانی کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کی چار اساسات ہیں۔ پہلی اساس ذکر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد سے اپنا دل آباد رکھنا۔ دوسری اساس وفا ہے۔ یعنی یوم الست کی بندگی اور اطاعت کا جو عہد اس کے ساتھ کیا گیا تھا، اسے نبھانا اور اللہ کے احکام کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لینا۔ قرآن مجید نے اسے ایک دوسرے مقام پر لفظ 'بِرّ' سے بھی تعبیر کیا ہے۔ تیسری اساس تقویٰ ہے۔ اس کے لئے قرآن مجید میں ''خشیت''، 'اخبات' اور 'قنوت' کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کی ناراضگی سے ڈرے اور اس انجام سے بچنے کی سعی کرے جو قرآن مجید میں ان لوگوں کا بیان ہوا ہے جن پر خدا غضب ناک ہو گا اور چوتھی اساس محبت ہے۔ یہی وہ اساس ہے جو بندۂ مومن کو دین کی نصرت و حمایت پر آمادہ کرتی اور اسے دین کے معاملے میں غیرت مند بناتی ہے۔ اسے اس جذبے سے سرشار کرتی ہے کہ وہ اللہ کے کلمے کو بلند رکھے اور اس غرض کے لئے

اسے جان بھی دینا پڑے تو دے دے۔

ذکر اور یاد کے لئے نماز فرض کی گئی ہے۔ تا کہ بندۂ مومن اپنے شب و روز میں، زمین اور آسمان میں رونما ہونے والی ہر اہم تبدیلی پر مسجد میں حاضر ہو اور اپنے پروردگار کے سامنے اپنا سر جھکا کر ہر دفعہ دین اور خدا کے ساتھ اپنی وابستگی تازہ کر لے۔

وفا کی علامت کی حیثیت زکوٰۃ کو حاصل ہے۔ مطلب یہ کہ بندۂ مومن اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور اس طرح خرچ کرتا ہے کہ اپنی متاعِ عزیز بھی خدا کی رضا اور خوشنودی کے لئے، دوسروں کو دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور یہ رویہ ایک باوفا شخص ہی اختیار کر سکتا ہے۔

تقویٰ کی آبیاری کے لئے سال میں ایک مرتبہ ایک مہینے کے روزے فرض کیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ نفلی روزے بھی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی سال کے مختلف اوقات میں نفلی روزے رکھنے کا اہتمام کیا ہے اور مسلمانوں کو بھی اس کی تلقین کی ہے۔ روزہ نفس انسانی کو پرہیز گاری کی تربیت دیتا ہے اور یہی چیز تقویٰ کی اساس ہے۔

محبت کا مظہر اتم جہاد ہے۔ جس میں ایک بندہ مومن اپنے رب کے لئے برسرِ پیکار ہونے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے اگر اللہ کی خاطر اپنی جان بھی قربان کرنی پڑے تو دریغ نہیں کرتا۔

حج، ان تمام عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ جس نے تمام عبادات کی اصل اساسات اپنے اندر جمع کر لی ہیں۔ خانہ کعبہ ہماری نمازوں کا مرکز ہے۔ وہ سب سے پہلی مسجد ہے جو اسی مقصد کے لئے بنائی گئی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے ابراہیمؑ اور ان کی ذریت کو مکہ میں اسی لئے بسایا تھا کہ وہ میرا یہ گھر طواف، قیام اور رکوع کرنے والوں کے لئے پاک رکھیں۔ حج کے لئے، اسی گھر کا قصد کیا جاتا ہے۔ نماز کا مقصد قرآن مجید میں ''اللہ کی یاد'' بیان ہوا ہے اور طواف اسی نماز کی وہ صورت ہے جو صرف خانہ کعبہ کی حاضری ہی میں ادا کی جاتی ہے۔ اس نماز میں شمع و پروانہ کی حکایت کو دہرایا جاتا ہے۔ خدا کے بندے اپنے پروردگار کو پکارتے ہوئے، اس کے گھر کے گرد پروانوں کی طرح گھومتے ہیں۔ زکوٰۃ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی عبادت ہے۔ حج کا اہتمام اور اس کے زادِ راہ کے انتظام میں آدمی جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اسی جذبے کی تسکین ہے بلکہ عام آدمی تو اپنے روز مرہ کے اخراجات کم کر کے ہی حج کے مصارف پورے کرنے کا متحمل ہو پاتا ہے۔ اس اعتبار سے اس کا جذبہ انفاق اور بھی زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ روزے کا مقصد تقویٰ کی آبیاری ہے۔ یہ اللہ کی طرف بڑھنے، دنیوی خواہشات ترک کرنے اور اللہ کے ساتھ لو لگانے کی عبادت ہے۔ حج، یہ غرض بھی بتمام و کمال پوری کرتا ہے۔ آدمی اپنی ضروریات روک کر حج کے اخراجات کا بندوبست کرتا اور اپنے معاملات و علائق چھوڑ کر اللہ کے گھر کے لئے عازمِ سفر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہجرت و جہاد کی عبادت بھی معصیت کی زندگی سے نکلنے اور خدا کی راہ میں سرگرم ہو جانے کے جذبے کا نام ہے۔ حج میں بھی آدمی اپنے پروردگار کے لئے گھر بار چھوڑتا اور حج کے دنوں میں ایک مجاہد کی طرح کبھی پڑاؤ اور کبھی سفر کے مراحل سے گزرتا ہے اور ان میں پیش آنے والی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔

اگر ہم حج کے مشمولات پر نگاہ ڈالیں تو یہ حقیقت مشہود ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ حج ایک جامع عبادت ہے۔ احرام باندھنا، اس بات کی علامت ہے کہ ہم نے دنیا سے اپنا تعلق منقطع کر لیا اور دنیا کے معاملات چھوڑ دیئے ہیں۔ احرام کے ان سلے لباس سے بھی یہی چیز ظاہر ہوتی ہے کہ ہم زیب و زینت کی زندگی ترک کر کے، وہ لباس پہن کر خدا کے حضور میں حاضر ہو گئے ہیں جس لباس میں مردہ قبر میں اتارا جاتا ہے۔ پھر ہماری زبان پر وہ ترانہ جاری ہو جاتا ہے جس سے ہمارے خدا کے حضور حاضری کے والہانہ جذبے کا اظہار ہوتا ہے اور جس میں ہم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں:

''حاضر ہوں، اے اللہ حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، لاریب، شکر تیرا ہے، نعمتیں تجھ سے ہیں، اقتدار تیرا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں''

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ شکر کا جذبہ خدا کے ساتھ تعلق کے سارے پہلوؤں میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ احرام باندھتے ہی، گویا روزے کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ صنفی تعلق ممنوع ہو جاتا ہے۔ شیطان جن تین راستوں سے، بالعموم، نفس انسانی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ان کا سدباب کر دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید

نے جہاں آداب حج بیان کیے، وہاں اسی چیز کو موضوع بنایا ہے۔ ارشاد ہے:

''حج کے متعین مہینے ہیں، چنانچہ جس نے حج کا عزم کر لیا، اس کے لئے لازم ہے کہ وہ نہ کوئی فحش بات کرے، نہ گناہ کی اور نہ لڑائی جھگڑا کرے، جو نیک کام تم کرو گے، اللہ اس سے باخبر ہے (تقویٰ) کا زادِ راہ لو، بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ اور اے عقل والو، مجھی سے ڈرو۔'' (البقرہ ۱۹۷)

خدا کی نافرمانی، شہوانی باتیں اور لڑائی جھگڑا وہ ذرائع ہیں۔ جن سے شیطان انسان کو غلط راستے پر ڈال دینے میں کامیاب ہوسکتا ہے، یہی تین چیزیں ہیں جن کی شیطان ترغیب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حاجیوں کو ان سے روک کر شیطان کی دراندازی کے سارے راستے بند کردیئے ہیں۔ روزہ رکھ کر جو کیفیت ایک بندے پر طاری ہوتی ہے وہی کیفیت ایک حاجی کی احرام باندھنے کے بعد ہوتی ہے۔ جس طرح اس پر یہ احساس طاری ہوتا ہے کہ وہ روزے سے ہے لہٰذا اسے شہوت کی باتوں سے بچنا ہے، کھانے پینے کے قریب بھی نہیں جانا اور گناہوں سے گریزاں رہنا ہے، اسی طرح احرام بھی حاجی کو اس احساس سے سرشار رکھتا ہے کہ وہ حج کر رہا ہے اور اسے برائیوں کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے۔ اور جس طرح، روزہ دار اگر روزے کے آداب کا خیال نہ رکھے تو اسے بھوک پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح ایک حاجی بھی اپنی ساری مساعی کو گناہ کی باتوں کے باعث غارت کرسکتا ہے۔

حجر اسود کو علامت کے طور پر اللہ کا ہاتھ قرار دیا گیا ہے۔ طواف کا آغاز اسے چوم کر یا اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر کیا جاتا ہے۔ ہاتھ چومنا یا ہاتھ پر ہاتھ رکھنا عہد معاہدے کی توثیق کا ایک طریقہ ہے۔ حاجی طواف کے آغاز میں یہ عمل کر کے، بسم اللہ، اللہ اکبر، کہہ کر وہ دعا پڑھتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد وفا کی تجدید کی جاتی ہے:

''اے اللہ (میں حاضر ہوں) آپ پر ایمان کی خاطر، آپ کی کتاب کی تصدیق کے لئے، آپ کا عہد پورا کرنے اور آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کے لئے۔'' (بیہقی طبرانی)

سعی: علامت ہے شیطان کی ترغیب سے بھاگنے اور خدا کی رضا کی جانب دوڑنے کا نام۔ سعی کے لغوی معنی کوشش کے ہیں۔ معروف روایات کے مطابق سعی حضرت حاجرہؓ کی اضطرابی کیفیت کی نشانی ہے۔ جو انہوں نے پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑ کر کی۔ لیکن کچھ اور علماء کی تحقیق کے مطابق حضرت ابراہیمؑ جب حضرت اسماعیلؑ کو قربان کرنے کے لئے صفا پر آگے بڑھے تو شیطان نے حکم عدل کے لئے وسوسہ ڈالا۔ اس وسوسے کے برخلاف تیزی سے دوڑے اور مروہ پہنچ کر لختِ جگر خدا کے قدموں میں ڈال دیا۔

سر منڈوانا پرانے زمانے میں غلام بننے کی علامت تھی۔ جب کوئی شخص کسی کا غلام بن جاتا تو اس کا سر مونڈ دیا جاتا تھا۔ حاجی اپنا سر منڈا کر غلامی رب کا نشان سجا لیتا ہے۔

پھر، عرفات کا وقوف، درحقیقت، اپنے آپ کو خدا کے حضور میں کھڑا کر دینا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں یہ سنت قائم کی کہ خطبے اور دوپہر کی نمازوں کے بعد مغرب کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوئے اور اس وقت تک کھڑے دعا فرماتے رہے، جب تک سورج ڈوب نہیں گیا۔ اس دوران میں بندۂ مومن اپنے گناہوں کو یاد کرتا، استغفار کرتا اور دعائیں مانگتا ہے۔

مزدلفہ میں، اگرچہ وقوف تو عرفات کے مقابلے میں مختصر ہوتا ہے لیکن عرفات و مزدلفہ کے مابین یہ سفر معنوی طور پر جہاد کے سفر کی علامت بن جاتا ہے۔ ایک مقام پر رکے، پڑاؤ کیا، پھر اگلی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس دوران میں نمازیں بھی جہاد سے مشابہت ہی کی وجہ سے قصر پڑھی جاتی ہیں۔

جمرات کو کنکر مارنا، خدا کے دشمنوں کے ساتھ مقابلے کی علامت ہے۔ اس طریقے سے بندۂ مومن خدا کے دشمنوں کے خلاف جہاد کے جذبے کا اظہار کرتا ہے۔

قربانی جہاد کا آخری پہلو ہے اس طرح کہ جہاد میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کو حج میں قربانی کی صورت میں علامتی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ بندۂ مومن قربانی اس جذبے کے ساتھ کرتا ہے کہ جس طرح اس نے خدا کی خوشنودی کے لئے جانور قربان کیا ہے۔ اسی طرح، اگر اس کے دین کو ضرورت پڑی، تو وہ اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کردے گا۔

انگریزی سے ترجمہ: ہما خالد ایم اے

برلن مسجد، جرمنی میں تبلیغی سرگرمیاں

ماہ جولائی میں زائرین کی آمد اور امام صاحب کی مصروفیات

از عامر عزیز الازہری، امام

محترمہ ارلین کٹنر، برلن مسجد کے ڈیزائنر کی پوتی کی مسجد میں تشریف آوری

29 جون: محترمہ ارلین کٹنر، برلن مسجد کے ماہر تعمیرات جناب اے کے ہرمن مرحوم کی پوتی کی برلین مسجد میں آمد ایک انتہائی خوشگوار اتفاق تھا۔ مسجد کو دیکھ کر انہیں بے حد مسرت ہوئی۔ پھر وہ عید کی تقریبات میں بھی شریک ہوئیں۔ اس موقع پر انہیں مختلف ممالک کے لوگوں کو دیکھ کر دلی مسرت ہوئی کہ ان کے مرحوم دادا کی ڈیزائن کردہ مسجد اب اس قدر شہرت حاصل کر چکی ہے۔ وہ ایک ایسی تنظیم کی رکن ہیں جو تاریخی عمارات کی دیکھ بھال اور ان کی مرمت کے کاموں میں حصہ لیتی ہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اس مسجد کے لئے بھی اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں گی۔ مسجد کے لئے ان کی خدمات کی پیشکش پر ہم تہہ دل سے ان کے مشکور ہیں۔

حوصلہ افزائی کا خط

5 جولائی: عید کی تقریبات کے بعد محترمہ نے امام مسجد کو شکریہ کا خط لکھا۔ جس کے ساتھ ان کے دادا جان کی یادگار تصویر بھی منسلک تھی۔ جرمن زبان میں خط کا متن کچھ یوں ہے: ''برلین مسجد کے ماہر تعمیرات جناب کارل الفریڈ ہرمن مرحوم کی پوتی ہونے کے ناطے میں عید کی شاندار تقریبات کا اہتمام کرنے پر ایک دفعہ پھر آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ میرے دادا 29 مئی 1882ء میں نیدر شان ہاسن، برلین ڈابلم بیور ٹرینل 3 میں پیدا ہوئے اور 18 مئی 1943ء کو اسی گھر میں ان کی وفات ہوئی۔ بدقسمتی سے جنگ عظیم دوم میں ان کا گھر مسمار ہو گیا۔ دادا کی منسلک کردہ تصویر 1910ء میں لی گئی تھی۔

برلین مسجد میں تقریب عید سعید

امسال جرمنی میں اکثریت نے 5 جولائی کو عید کی تقریب منائی جبکہ کہیں کہیں 6 جولائی کو بھی سعودی عرب کے ساتھ عید کی خوشیاں منائی گئیں۔ برلن کے ایک مقامی ٹی وی چینل RBB کی جانب سے ہماری مسجد میں عید کا پروگرام ریکارڈ کیا گیا۔ نماز عید، خطبہ، عید اور تقریبات عید غرض ہر پہلو کی جھلکیوں کی ریکارڈنگ ہوئی۔ برلین، ملائیشیاء، برطانیہ، مالی، افغانستان، شام، مصر، الجزئر، سری لنکا، سوڈان، جنوبی کوریا، چین، ترکی، سینیگال اور عراق سے تعلق رکھنے والے مسلمان عید کی تقریبات میں شریک ہوئے۔

مسجد سے ملحقہ باغیچہ میں بعد از نماز عید ضیافت کا انتظام تھا۔ مختلف لوگ اپنے ساتھ کھانے اور مٹھائیاں لائے۔ شام کے مہاجرین کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ مسجد کی جانب سے خاکسار نے شام کے مہاجر بچوں کو عید کے تحائف دئے جن سے بچے بے حد خوش ہوئے۔

پیشہ ور فوٹو گرافر اور مسجد کے ایک مخلص دوست جناب فیصل کرسچن اور برطانیہ سے جناب کریگ ریڈمونٹ صاحبان نے تقریب کو تصاویر میں محفوظ کیا۔ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کو بھی دعوت دی گئی تھی جن میں سے کئی اصحاب نے نماز عید میں بھی شرکت کی۔ مسجد کے دوست اور ہمسایہ ڈنمارک گرجا کے صاحب پادری بھی بطور خاص ہماری عید کی تقریب میں شامل ہوئے اور تحفہ بھی لائے۔

برلین کے ایک ہائی سکول کے اساتذہ اور طلباء کی آمد

ایونجلش جمنازیم کلین مشو ہائی سکول برلین سے تعلق رکھنے والے اساتذہ

اور طلباء نے بھی عید کے دن مسجد کا دورہ کیا اور قریباً دو گھنٹے مسجد میں گذارے۔ جس میں سوال و جواب کا ایک طویل دور بھی ہوا۔

عید کے مبارک دن جوانس وارمز نے اسلام قبول کیا۔ الحمد اللہ

برلین میں ایک مذہبی میلہ

10 جولائی: کلچرل سنٹر برلن میں ایک مذہبی میلہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ مسلمان، عیسائی، ہندو، بدھ، یہودی غرض بیشتر مذاہب کے نمائندگان نے اس میلہ میں شرکت کی، میلے کا وقت دوپہر 11 بجے سے شام 6 بجے تک تھا۔ مسجد کے متعلق معلوماتی کتابچہ لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ الحمد اللہ برلن مسجد کی تاریخی اہمیت کی بناء پر ہمارے اسٹال کے لئے جگہ سب سے نمایاں رکھی گئی۔ اللہ کے فضل سے 200 سے زائد کتابچے تقسیم کئے گئے۔ جبکہ قرآن پاک کا جرمن ترجمہ قیمتاً بھی اور تحفتاً بھی تقسیم کیا گیا۔ جرمن مشن کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے ایک بہترین موقع تھا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ میزبان تنظیم کی طرف سے تصویروں کی نمائش میں صرف برلن مسجد کی تصاویر لگائی گئی تھیں۔ گو کہ تصاویر رنگین نہ تھیں مگر پھر بھی حاضرین نے مسجد کی تصاویر کو بہت پسند کیا اور جس خاتون فوٹو گرافر نے یہ تصویریں بنائی تھیں اس کی اس کاوش کو بے حد سراہا گیا۔

مسلمان بچیوں اور خواتین کی مسجد میں آمد

28 جولائی: مسلمان خواتین اور بچیوں کا ایک وفد برلین مسجد تشریف لایا۔ ان کا تعلق ہسپانیہ، برطانیہ، جرمنی اور بلغاریہ سے تھا۔ خواتین نے عصر کی نماز محترم عامر عزیز صاحب کی امامت میں ادا کی۔ بعدازاں گفتگو کا سلسلہ قریباً دو گھنٹہ جاری رہا اور مختلف موضوعات پر تفصیل سے تبادلہ خیال ہوا۔

اسی روز ہماری مسجد میں ایک انتہائی اہم بین المذاہب پروگرام کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سیمینار کا موضوع ''انسانی زندگی کے چار ادوار'' یعنی پیدائش، بیماری، پیرانہ سالی اور موت تھا۔ عیسائیت، یہودیت اور بدھ مت کے نمائندگان نے موضوع پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ بعدازاں اسلام کے اس بارے میں نکتہ نگاہ پر طویل گفتگو ہوئی۔ سیمینار میں تقاریر اور گفتگو کو بے حد سراہا گیا۔ سیمینار کا انتظام HWPL برلین کی جانب سے کیا گیا تھا۔ اس بین الاقوامی ادارہ کا مرکز کوریا میں ہے۔

29 جولائی بروز جمعہ ZDF ایک جرمن ٹیلی ویژن کے مدیر جناب عبدالاحمد رشید برلین مسجد تشریف لائے اور جمعہ کی نماز بھی ادا کی۔ ان کی امام مسجد سے سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ انہوں نے حضرت مولانا صدرالدین صاحب کے قرآن مجید کے جرمن ترجمہ لینے کے خواہش ظاہر کی جو ان کو تحفتہً پیش کیا گیا۔ انہوں نے برلن مسجد پر بہت مضامین لکھے اور کئی مرتبہ ٹی وی پر بھی اس کا ذکر کیا مگر ان کو کبھی مسجد آنے کا اتفاق نہ ہوا۔ انہیں پہلی مرتبہ مسجد دیکھنے کا موقع ملا۔ قرآن مجید کے جرمن نسخہ کے علاوہ انہیں مسجد کی تاریخ کے متعلق کئی اور کتب پیش کی گئیں۔ ان کتب میں ڈاکٹر زاہد عزیز کی کتاب ''اسلام پیس اینڈ ٹالرنس'' بھی شامل تھی۔

برلین مسجد کے متعلق ایک کتاب میں تفصیلی ذکر

30 جولائی: رات گئے ہیمبرنگ سے ایک مرد اور ایک خاتون برلین مسجد تشریف لائے اور واپس اپنے شہر جانے سے قبل مسجد دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ گفتگو کے دوران انہوں نے جرمن زبان میں ایک کتاب ''شاید آپ اس کو نہیں جانتے'' کھول کر دکھائی جس میں برلن مسجد کے متعلق ایک مضمون معہ تصاویر تھا۔ کتاب میں برلن مسجد کو ولمرسڈورف کے تاج محل سے منسوب کیا گیا تھا۔ جوڑے نے مسجد کی خوبصورتی اور اس کی سرگرمیوں کو بے حد سراہا اور انتہائی شکر گذاری کے ساتھ رخصت لی۔

برلین میں مسلمانوں کے قبرستان کے لئے قطع زمین کی فراہمی

اللہ کے فضل سے گذشتہ دو ہفتے کافی مصروف گذرے۔ اس موقع پر ولمرسڈورف برلین کی ضلعی انتظامیہ نے مسلمانوں کے قبرستان کے لئے قطع زمین مختص کیا ہے جو ایک انتہائی اہم بات ہے۔ امام برلین مسجد کو قبرستان کی افتتاحی تقریب کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ امام مسجد برلین عامر عزیز صاحب نے اس موقع پر مسلمانوں کی نمائندگی کی اور ہندوستان کے شہری جناب عبدالرزاق صاحب کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ قطع زمین میں 330 قبروں کی گنجائش ہے۔ یہ تقریب باقاعدہ طور پر مقامی ٹیلی ویژن RBB پر نشر کی گئی۔ برلین کے میئر اور دیگر شرکاء نے امام صاحب برلین مسجد کی اس موقع پر شمولیت کا بطور خاص شکریہ ادا کیا۔

مدثر عزیز (مدیر) پیغام صلح انٹرنیشنل نے دفتر 8-7 برنیئر سٹریٹ 10713 برلن (جرمنی) سے شائع کیا

مسائل عیداضحیٰ

(۱): خدا کی راہ میں جو قربانی ہو وہ جس قدر اعلیٰ درجہ کی ہو اتنی ہی افضل ہے۔ نکمی یا ناقص قربانی قابل قدر نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے بکرا یا بھیڑ یا دنبہ عمدہ اور تندرست ہونا چاہیے۔ کوئی عیب نہ ہو یعنی لُو لا لنگڑا، کانا، کان یا سینگ جڑ سے کٹا ہوا نہ ہو۔ گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

(۲): بکرے کی عمر دو سال کی ہونی چاہیے یا اس سے زیادہ۔ دوندا جس کے دو دانت سامنے کے بڑے ہوتے ہیں موزوں ہوا کرتا ہے۔ بھیڑ یا دنبہ چھ ماہ کا بھی فقہا کے نزدیک جائز ہے۔

(۳): قربانی کا وقت ۱۰ ذی الحجہ یعنی عید کے دن نماز عید و خطبہ کے بعد سے لے کر ۱۲ تاریخ ذی الحجہ عصر کے وقت تک ہے۔ ایک کنبہ کی طرف سے ایک بکرا یا بھیڑ کافی ہے۔

(۴): قربانی کے وقت خدا کا نام لینا اور تکبیر کہنا چاہیے بعض قصاب پیر کا نام لیا کرتے ہیں جس سے بچنے کا اہتمام پہلے سے کر لینا چاہیے۔

(۵): قربانی کا خون اور گوشت خدا کو نہیں پہنچتا۔ بلکہ دلوں کا تقویٰ خدا تک پہنچتا ہے پس قربانی کرتے وقت اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ دراصل وہ خدا کے حکم کے آگے اپنی حیوانیت کو ذبح کر رہا ہے یعنی اپنے تمام جذبات حیوانی کو خدا کی رضا کے آگے وہ قربان کرنے کا اقرار کر رہا ہے۔ جب تک یہ تقویٰ مدنظر نہ ہو قربانی کے مقبول ہونے کی صورت نظر نہیں آتی۔

(۶): عید کے دن نہانا، صاف کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، نماز عید پڑھنا، خطبہ سننا مسنون ہے۔ عید الفطر میں نماز سے پہلے کھانا سنت ہے لیکن عیداضحیٰ میں نماز کے بعد کھانا سنت ہے۔

(۷): عید کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ پہلی رکعت میں سات تکبریں ہیں اور دوسری میں پانچ تکبریں کہی جاتی ہیں۔ یاد رہے دونوں رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ سے قبل یہ تکبریں کہنی چاہئیں اور تکبیروں کے درمیان ہاتھ کھلے چھوڑنے چاہئیں۔ قرأت جہری ہوتی ہے اور نماز کے بعد خطبہ ہوتا ہے جس کے درمیان میں امام بیٹھتا نہیں۔ خطبہ سننا نہایت ضروری چیز ہے۔ خطبہ کے درمیان میں لوگ ملنا جلنا اور بغل گیر ہونا شروع کر دیتے ہیں یہ جائز نہیں۔

(۸): نماز عید کے لئے ایک راستہ سے جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا مسنون ہے۔ نماز کے بعد جماعت کی شکل میں راستوں سے گزرنا اسلام کی شوکت کا موجب ہے۔

(۹): قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا مسنون ہے ایک حصہ خود کھائے اور اس کے اہل و عیال کھائیں۔ دوسرا حصہ دوستوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کریں، تیسرا حصہ مساکین اور یتامیٰ کو دے۔

(۱۰): عید کے دن باہم ملنا جلنا، کھانا پینا، خوشی کرنا منشائے اسلام ہے۔ نماز پڑھ کر گھروں میں گھس کر بیٹھ رہنا یا سو کر دن کاٹ دینا اس گوشہ نشینی کا نام دینداری رکھنا غلط ہے۔

(۱۱): ۹ تاریخ ذی الحجہ کی فجر نماز سے شروع کر کے ۱۲ ذی الحجہ کی عصر کی نماز تک ہر فرض نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیرات کہنے کا حکم ہے۔

(۱۲): عید کی خوشی کے موقع پر بہت لوگ کپڑوں کھانوں پر خرچ کرتے ہیں، ایسے موقع پر کچھ اشاعت اسلام کے لئے خرچ کرنا چاہیے۔

(۱۳): قربانی کی کھال خدا کی راہ میں دینی چاہیے۔ اشاعت اسلام اس کا بہترین مصرف ہے۔ قصاب کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔

(پیغام صلح 28 فروری 1936ء)